سرمایہ دارانہ نظامِ انشورنس

اور

اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

نسبت روڈ ○ لاہور

سرمایہ دارانہ نظامِ انشورنس

اور

اسلام کا نظامِ کفالتِ عامہ

تالیف

پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری

www.KitaboSunnat.com

مرکزِ تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری

نسبت روڈ ○ لاہور

پہلا ایڈیشن ———— نومبر ۱۹۹۱ء
تعداد ———— ۱۱۰۰
طابع ———— محمد سعید "پرنٹ ایکسپرٹ"
۸ - ایبٹ روڈ لاہور۔ فون : ۳۶۳۳۷۰
باہتمام ———— حافظ غلام حسین ریسرچ آفیسر ریسرچ سیل
ناشر ———— مولانا سید محمد متین ہاشمی ، ڈائریکٹر ریسرچ سیل
دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور
قیمت ———— ۶۵/= روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

عہدِ جدید کو عہدِ معاشیات کہا جاتا ہے ان معنوں میں کہ عصرِ حاضر میں جتنے انقلابات ممالکِ عالم میں رونما ہوئے اکثر و بیشتر ان کی اساس معاشی تھی۔ فیوڈلزم FUDALISM کا نظام شکست و ریخت کا شکار رہا۔ بادشاہتیں رخصت ہوئیں اور ذرائع معاش میں وسعت پیدا ہوئی۔ نئی ایجادات ہوئیں، سائنس نے ترقی کی، کارخانے قائم ہوئے، رسل و رسائل ابلاغ عامہ کے سلسلے وسعت پذیر ہوئے، برسوں کے سفر منٹوں میں طے ہونے لگے۔ لاسلکی ذرائع ظاہر ہوئے پھر الیکٹرانک کا دور آگیا اور آج پوری دنیا ایک کنبہ کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ ان تمام ترقیات کو سرمایہ دارانہ نظام نے جنم دیا اور بھرپور تحفظ فراہم کیا لیکن اگر بغور جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ سرمایہ دارانہ نظام دراصل ظالم ترین استحصالی نظام ہے جس نے طبقات جنم دیئے اور صرف افراد ہی کو نہیں بلکہ ملکوں کو جبر و استحصال کا شکار بنایا۔ ایسی فضا میں فطرتِ انسانی کے مطابق حسد اور عناد کا پیدا ہونا ضروری تھا کیونکہ ایک طبقہ ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں بیٹھ کر حکم دیتا تھا، ایئر کنڈیشنڈ کاروں میں سفر کرتا تھا، اپنے بچوں کو ہی نہیں بلکہ اپنے کتوں کو بھی بہترین رزق اور تحفظ فراہم کرتا تھا اور محنت کش طبقہ ٹوٹے پھوٹے جھونپڑوں میں زندگی بسر کرتا تھا، کتے کیک کھاتے تھے، اور محنت کش طبقے کے بچے روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترستے تھے۔ ان کی پرورش کیچڑ بھری نالیوں کے کیڑوں کی طرح ہوتی تھی، تعلیم سے وہ محروم تھے۔ انصاف انہیں میسر نہ تھا جسمانی صحت کا ان کے لئے کوئی نظام نہ تھا۔ لہٰذا لازماً اس کا ردِعمل ہونا تھا اور وہ

ردِ عمل اشتراکیت کی شکل میں ہوا۔ اشتراکیت نے بڑے خوش کُن نعرے لگائے اور اس کے جھنڈے کے نیچے پسے ہوئے عوام اکٹھا ہو گئے۔ پھر کارل مارکس کے فلسفے نے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا۔ کروڑوں انسان مارے گئے۔ طبقاتی کش مکش شروع ہو گئی۔ سرمایہ دارانہ نظام کا سفینہ تقریباً غرقاب ہو گیا ——— بستی بستی اور نگری نگری میں کسانوں اور مزدوروں کی تنظیمیں قائم ہوئیں جنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ اب اقتدار محنت کش طبقے کے ہاتھ میں ہو گا۔ محنت کشوں کی ریاستیں بنیں اور عوام سنہری جال میں گرفتار ہو گئے۔ فکر پہ پہرے بٹھا دیئے گئے، آزادیٔ اظہار چھین لی گئی۔ مسجدوں اور گرجاؤں کو کلب گھروں اور ناچ گھروں میں تبدیل کر دیا گیا۔ مذہب کو افیون قرار دیا گیا۔ اخلاقی قدروں کو فرسودہ روایات قرار دے کر یکسر پامال کر دیا گیا لیکن بقول علامہ اقبال

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا۔
طریقِ کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی!

گورباچوف کا دَور آتے ہی الحمد للہ کہ کمیونزم کا تیا پانچا ہو گیا اور اب لینن کے بت جو روس کے چوراستوں پہ ستر برس سے نصب تھے ڈھائے اور گرائے جا رہے ہیں اور کمیونزم کے حامیوں کو اس کی حقیقت کا پتہ چل گیا ہے مختصر یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکیت دونوں شکست کھا گئے ہیں اب دنیا میں کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو طبقاتی کش مکش کو دُور کرے اور عوام کی معاشی فلاح کا ضامن بنے۔ اب ساری دُنیا کی نگاہیں اسلام کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ اقبال نے اس کا ایک ہی حل بتایا ہے

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار
جو حرفِ "قل العفو" میں پوشیدہ ہے اب تک
اس دَور میں شاید وہ حقیقت ہو نمودار

جدید معاشی نظام کی لعنتوں میں سے ایک بہت بڑی لعنت انشورنس بھی ہے تاہم اگر اس کی اصلاح کر دی جائے اور از روئے اسلام اسے نظام کفالت عامہ میں تبدیل کر دیا جائے تو یہی لعنت رحمت بن سکتی ہے۔ ہم پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے اس اہم ترین موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ فجزاہ اللہ عنا خیر الجزاء واسئل علیہ رداء رحمتہ المدائمہ

ڈاکٹر نور محمد غفاری کی شخصیت بحیثیت ماہر معاشیات ملک و بیرون ملک میں محتاج تعارف نہیں اور سب سے بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ ریسرچ سیل دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری سے ان کا علمی تعاون جاری ہے اور انہوں نے وعدہ فرمایا ہے کہ انشاء اللہ تادم آخر یہ تعاون جاری رہے گا ہم اس کے لئے بھی ان کے شکر گذار ہیں۔

ان چند کلمات کے ساتھ یہ نہایت نادر، مفید اور جامع کتاب ناظرین کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے ہم دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر موصوف کی اس محنت کو قبول فرمائے اور نئی نسل کو اسلام کے معاشی نظام کی افادیت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

سید محمد متین ہاشمی
ڈائریکٹر ریسرچ سیل
دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری۔ لاہور

فہرست مضامین

عنوانات

صفحہ نمبر

باب سوم

عنوانات	صفحہ نمبر

ل

عنوانات	صفحہ نمبر
۔ تقابلی جائزہ	۱۴۵
۔ معاشی تحفظ وزارت	۱۴۷
انتظامیہ	۱۴۸
عملہ کی تنخواہیں اور دفاتر کی تعمیر	"
کام کا آغاز	۱۴۹
جائیداد کے گوشوارے	۱۵۰
احتساب کمیٹی	۱۵۱
مہینہ کا تقرر	"
مستحقین کی فہرستیں	۱۵۲
مستحقین کی درجہ بندی	"
کفالت عامہ فنڈ کا قیام	۱۵۳
کفالتی ادارے	۱۵۴
۱۔ تربیت اطفال مراکز	"
۲۔ مفت شفاخانے	۱۵۵
۳۔ تربیت گاہیں	۱۵۶
۴۔ مہمان خانے	"
۵۔ وظائف اور امداد کے مراکز	۱۵۷
۶۔ چند غلط فہمیوں کا ازالہ	۱۵۸

باب ـــــــــــ ۸

فہرس

صفحہ نمبر	عنوانات
۱۶۰	اسلام کے نظام کفالت عامہ کے مقاصد
"	۱۔ حاجت مند کی حاجت روائی
۱۶۲	۲۔ اکتناز اور ارتکاز دولت کا خاتمہ
۱۶۵	۳۔ دولت کے غیر فطری تفاوت کا خاتمہ
۱۶۷	۴۔ انسان کی عزت نفس اور تکریم ذات
۱۷۱	۵۔ صالح معاشرہ کی تعمیر

ص

دیباچہ طبع ثانی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ بِعِزَّتِہٖ وَجَلَالِہٖ تَتِمُّ الصَّالِحَات ۔

تمام تعریفیں اس کریم ذات کے لیئے ہیں جس ہی کے کرم اور فضل سے دنیا اور آخرت کے بگڑے کام بن جاتے ہیں ۔ وہ کرم فرما دے تو انسان جس کام کو مشکل ترین سمجھتا ہے وہ آسان ہو جائے ۔ درود و سلام ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی پر جن کی بدولت گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسانوں کو ہدایت نصیب ہوئی اور جن کی شان رحمۃ اللعالمینی کے طفیل دکھوں سے مارے ہوئے انسانوں کے لئے رحمت کا پیغام آیا ۔

یہ کتاب جو آپ کے ہاتھ میں ہے میری اس حقیر کتاب، "موجودہ نظام انشورنس اور اسلام کا نظام تکافل اجتماعی" کا دوسرا ایڈیشن ہے ۔ اس کتاب کو نظر ثانی کے دوران مفید تر بنانے کے لیئے نئے سرے سے ترتیب دیا گیا ہے ۔ پہلا اور دوسرا باب دوبارہ لکھے گئے ہیں ۔ اسی طرح دیگر تمام ابواب میں بھی موزوں تبدیلیاں کی گئی ہیں ۔ بعض مقامات پر اضافہ کیا گیا ہے اور بعض جگہوں پر کمی کی گئی ہے ۔

کتاب کو پڑھے لکھے طبقہ میں زیادہ متعارف کرانے کے لیئے نئے ایڈیشن کا نام تبدیل کر کے "سرمایہ دارانہ نظام انشورنس اور اسلام کا نظام کفالت عامہ" رکھا گیا ہے ۔ امید ہے نقش ثانی نقش اول سے بہتر ہو گا ۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ وہ ذات پاک میری اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت سے نوازے اور اسے اپنے دین، اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی طریقہ، صحیح علم اور امت مسلمہ کی خدمت کا ذریعہ بنائے ۔ آمین ۔

اسلام کا ناکارہ خادم

ڈاکٹر نور محمد غفاری ، اسلام آباد

باب ۱

انشورنس کا موجودہ نظام

انشورنس کا مفہوم :- انشورنس (Insurance) انگریزی زبان کا لفظ ہے جس کا اردو ترجمہ بیمہ اور عربی ترجمہ تامین ہے۔ انشورنس اپنے اصطلاحی معنوں میں کاروبار کی ایک شکل ہے جس میں بیمہ کی پالیسی خریدنے والے کو اس کے مستقبل کے خطرات سے تحفظ اور غیر متوقع نقصانات کی تلافی کی ضمانت دی جاتی ہے۔ گویا انشورنس کے معنی ضمانت، تحفظ اور یقین دہانی کے ہو سکتے ہیں۔ جو کمپنی (سرکاری یا نجی) انشورنس کا کاروبار کرتی ہے اسے انشورنس (یا بیمہ) کمپنی (یا شرکۃ التامین) کہا جاتا ہے۔ اس کمپنی کے بیان کردہ طریقہ کار کے قواعد کی رو سے اس کے بیمہ داروں Policy Holders میں سے کسی کا نقصان ہو جائے تو سب مل کر اس کی تلافی کرتے ہیں۔ یہ تلافی کمپنی بیمہ داروں کی جمع شدہ رقوم پر حاصل ہونے والے منافع (جو اکثر صورتوں میں سود ہوتا ہے) سے کرتی ہے اس طرح کمپنی ایک کا بار سب پر ڈالتی ہے۔ اور (کمپنی کے دعوی کے مطابق) یوں سب مل کر ایک کے نقصان کی تلافی کر دیتے ہیں۔ اسی طریقہ کار کی تائید میں انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا کا مقالہ نگار لکھتا ہے۔

"انشورنس کا سادہ ترین مفہوم ایسی ضمانت ہے جو لوگوں کا ایک ایسا گروہ دیتا ہے جن میں سے ہر ایک کسی نہ کسی ایسے خطرہ میں ہوتا ہے جس کے اثرات قبل از وقت جانچے نہیں جا سکتے ایسا خطرہ جب بھی واقع ہوتا ہے۔ اس کے اثرات اس گروہ کے تمام افراد پر تقسیم کر دیئے جائیں گے[1]"

اس رائے کی روشنی میں انشورنس کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ ایسے خطرات کا تحفظ دینے کا

---

[1] انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا (گیارھواں ایڈیشن) جلد ۱۴ صفحہ ۶۵۶۔

نام ہے جو ایک انسان کی زندگی یا اس کے کاروبار پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اور اگر مصیبت کو ہمدردی اور تعاون کے جذبہ سے نہ بانٹا جائے تو وہ شخص تباہ ہو جاتے ہیں[1]

مذکورہ بحث کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کرنا بجا ہوگا کہ انشورنس سے مراد مستقبل کے ان جانے خطرات سے تحفظ کی ضمانت ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا انشورنس مستقبل کے خطرات سے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے یا بچاؤ کی تدابیر ہی کرتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں انشورنس کے حامیوں میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ ایک گروہ اسے مستقبل کے خطرات سے بچاؤ کی تدبیر محض کا نام دیتا ہے جبکہ دوسرا اسے خطرات کے خلاف اہتمام تصور کرتا ہے۔

انشورنس کا طریق کار:۔ ایک معاہدہ کے تحت جو انشورنس کمپنی اور طالب انشورنس کے درمیان طے پاتا ہے انشورنس کمپنی بیمہ کے طالب سے ایک معینہ رقم جس کا تعین بیمہ پالیسی خریدنے والے کی مالی حالت (اگر بیمہ زندگی ہے تو) اسکی صحت اور اگر بیمہ کی جانے والی کوئی شے یا جائداد ہے تو اس کی نوعیت، مالیت، نقصانات اور خطرات سے متعلق سابقہ تجربات، بیمہ کمپنی کے دفتری اخراجات اور متوقع نفع (بالفاظ دیگر شرح سود) سے ہوتا ہے[2] ایک مدت معینہ کے بعد وہ رقم بیمہ دار یا اس کے (اس) وارث کو (جسے وہ نامزد کرے) مل جاتی ہے۔ اس کی اصل رقم کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ کمپنی ایک مقررہ شرح کے ساتھ کچھ مزید رقم بھی دیتی ہے جو دراصل سود ہوتا ہے جسے کمپنی اپنے وضع کردہ اصطلاح میں بونس (منافع) کہتی ہے۔

بیمہ کمپنی اس مجتمع رقم کی سرمایہ کاری کرتی ہے اور اس پر سود کماتی ہے اور اس طرح وہ کثیر کماتی ہے جس کا بیشتر حصہ کمپنی خود اپنی رقم خرچ کئے بغیر رکھ لیتی ہے اور ایک قلیل مقدار بیمہ داروں کو دے کر خوش کر دیتی ہے۔

---

[2] Morgan (Ed) Porter: Laws of Insurance, London, 1933, P. 1

[3] Ibid

۲۔ انشورنس کی چند شرائط: انشورنس کے طریقہ کار کی مزید وضاحت کیلئے اس کی چند شرائط کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ کسی بیمہ دار کو دو سال تک متواتر اقساط ادا کرنے پر اس کا اہل سمجھا جاتا ہے کہ وہ کمپنی سے اپنی جمع شدہ رقم کے مقابل کم شرح سود پر قرض لے لے۔

۲۔ اگر کوئی بیمہ دار سود نہ لینا چاہے تو انشورنس کمپنی اسے مجبور نہیں کرتی البتہ اس کی ادا شدہ رقم کو وہ سودی کاروبار میں ضرور لگاتی ہے اور مقررہ شرائط کے مطابق مقررہ مدت کے بعد اسے واپس کر دیتی ہے۔

۳۔ بیمہ دار کو ایک معینہ رقم انشورنس کمپنی کو بالاقساط ادا کرنا پڑتی ہے جسے پریمیم کہتے ہیں اگر بیمہ دار اپنی بعض مالی مجبوریوں یا اپنی مرضی سے چند اقساط بیمہ ادا کرنے کے بعد ادائیگی اقساط کا سلسلہ منقطع کر دے تو کمپنی (جس کی بنیاد بیمہ کے حامیوں کی دلیل کے مطابق ہمدردی اور خیر خواہی پر رکھی گئی ہے) اس کی جمع شدہ رقم سوخت کر لیتی ہے۔ البتہ کمپنی اسے اتنی اجازت دے دیتی ہے کہ اگر وہ شخص چاہے تو درمیانی اقساط ادا کر دے یا نئے سرے سے اقساط کا سلسلہ جاری کر کے دوبارہ بیمہ دار بن سکتا ہے۔ مگر اقساط کی ادائیگی بند کر کے وہ اپنی ادا شدہ رقم لینے کا حقدار نہیں[۵]

نئے قوانین کے تحت اگر ایک بیمہ دار مسلسل تین سال تک اقساط کی باقاعدہ ادائیگی کرتا ہے تو تو اقساط بند کرنے کی صورت میں اسے ادا شدہ رقم کا کچھ حصہ مل جاتا ہے البتہ ساری رقم نہیں ملتی۔ یعنی غیر شرعی طریقہ پر پرایا مال ہضم کرنے کی رکاوٹ نئے قوانین بھی نہیں فراہم کر سکے۔

۴۔ انشورنس کی ضرورت و اہمیت: ہم یہاں ان دلائل کا خلاصہ پیش کرتے

---

[۵] مولانا مفتی ولی حسن: بیمہ زندگی: ایچ ایم سعید کمپنی، پاکستانی چوک، کراچی: ۱۹۸۲ء، ص ۵

ہیں جو کاروبار انشورنس کے وکلاء گاہے بگاہے دہراتے رہتے ہیں۔

۱۔ احساس تحفظ اور اس کی تلاش انسانی فطرت کا خاصہ ہے ہر انسان چاہتا ہے کہ اس کا مستقبل محفوظ ہو۔ دنیا جائے عبرت ہے یہاں روزانہ ان گنت ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں جو انسان کو چونکا دیتے ہیں۔ غیر متوقع حالات اور ناخوشگوار واقعات کے مقابلہ میں ابن آدم کی بے لبسی کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود حضرت انسان کی۔ اس کی سب سے بڑی کمزوری ہے کہ یہ مستقبل کے حالات اور ایسے واقعات کے متعلق بالکل بے خبر ہے جو اس زندگی میں انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ مگر یہ مٹی کا بنا ہوا کمزور انسان اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں مستقبل کے خطرات سے تحفظ اور بچاؤ کی کوشش کرتا رہتا ہے جس میں اسے کامیابی یا ناکامیابی دونوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ انشورنس کمپنیوں کا وجود اسی انسانی فطرت کا جواب ہے۔

۲۔ ایسا غریب یا متوسط شخص جو کثیر العیال ہو اگر ناگہانی طریقہ پر وفات پا جائے تو اس کے پسماندگان سخت مالی پریشانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں چونکہ ایسا شخص کثیر المال نہیں ہوتا کہ وہ کثیر مقدار میں وارثت چھوڑ جائے جو اس کے ورثاء کی کفالت کے لئے کافی ہو اس طرح ایسے شخص کی اولاد کو بیمہ کمپنی کے ذریعے سہارا مل جاتا ہے اور ان کی تعلیم وغیرہ کا سلسلہ بھی منقطع نہیں ہوتا۔ بصورت دیگر جن پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں ان کا تجربہ ہو۔

۳۔ اولاد کے نابنجار ہونے کی صورت میں بیمہ دار والدین کو پیرانہ سالی کے دکھوں میں کچھ سہارا محسوس ہوتا ہے۔

۴۔ بعض ممالک جہاں مسلم غیر مسلموں کے ساتھ رہتے ہیں وہاں مذہب اور نظریہ کے نام پر بلوے اور ہنگامے (جو گھراؤ اور جلاؤ تک پہنچ جاتے ہیں) روزانہ کا معمول بن چکے ہیں اور جن کا نتیجہ لاکھوں کی جائیداد کا راکھ کا ڈھیر بننے کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ ایسے ممالک میں مسلمان اگر اپنی جائیداد کا بیمہ کرا لیں تو مفید ہوگا۔

۵ ۔ سائنسی ایجادات کا فروغ اپنی بہت سی برکات کے جلو میں بہت سے مفاسد بھی لے کر آیا ہے ۔ اس تیز رفتاری کے دور میں حادثات روزانہ کا معمول بن چکے ہیں جو اس کثرت سے ہوتے ہیں کہ آج سے چالیس سال قبل ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ایسے حالات میں اگر اپنی جائیداد کا بیمہ کرایا جائے تو نقصانات جو کسی بھی خوش حال آدمی کو قلاش بنا کر چھوڑ دیتے ہیں، کی تلافی ہو جاتی ہے

۶ ۔ والدین اپنی اولاد اور خاوند اپنی بیوی کے لئے بیمہ پالیسی خرید کر انہیں ناخوشگوار حالات میں سہارا فراہم کر سکتے ہیں ۔

۷ ۔ انشورنس معاشرتی زندگی میں تعاون و تکافل کو وجود میں لاتا ہے جو شریعت اسلامیہ کا مقصود بھی ہے ۔

۵ **انشورنس کی چند مشہور اقسام :** یوں تو انشورنس کی متعدد اقسام ہیں جن میں آئے دن اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔ اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں بیمہ کی جو مشہور مروجہ اقسام ہیں ان کے نام یہ ہیں ۔

(۱) بیمہ زندگی (۲) سمندری بیمہ ۔ (۳) ذمہ داریوں کا بیمہ ۔ (۴) ضمانت کا بیمہ (۵) چوری کا بیمہ ۔ (۶) املاک اور جائیداد کا بیمہ ۔ (۷) فضائی بیمہ ۔ (۸) قرض کا بیمہ ۔ (۹) صحت کا بیمہ (۱۰) خطابت کا بیمہ (۱۱) بڑھاپے کا بیمہ ۔ (۱۲) دستاویزات کا بیمہ (۱۳) اعضاء کا بیمہ (۱۴) گروپ انشورنس انفرادی (۱۵) اجتماعی انشورنس (۱۶) تبادلی انشورنس وغیرہا ۔

انشورنس کی جملہ اقسام بیمہ کے اصول ایک جیسے ہیں ان تمام اقسام کی تفصیل ہمارا موضوع نہیں ۔ ان کے بیان کا حاصل مقالہ کے صفحات بڑھانے کے سوا کچھ نہیں ہوگا البتہ انشورنس کی مذکورہ اقسام میں سے ہم صرف بیمہ زندگی کا ذکر کرتے ہیں اور ان دو قسموں کا تعارف بھی کراتے ہیں جو از روئے شریعت اسلامیہ نہ صرف جائز بلکہ قابل تعریف بھی ہیں یعنی اجتماعی انشورنس اور تبادلی انشورنس ۔

۱.۵ **زندگی کا بیمہ :** اس کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ بیمہ کمپنی بیمہ کرانے والے کا اپنے ڈاکٹر کے ذریعہ معائنہ کراتی ہے۔ ڈاکٹر اس کی جسمانی ساخت اور صحت سے یہ اندازہ کرتا ہے کہ اگر کوئی ناگہانی مصیبت پیش نہ آئے تو یہ شخص اتنی مدت (فرض کیا ۵۰ سال) تک زندہ رہ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کی اس رپورٹ پر کمپنی اس شخص کا ۵۰ سال کے لئے ایک خاص رقم پر ــــ جو بیمہ کرانے والے کی امارت یا غربت اور ذرائع آمدنی کے حساب سے مقرر کی جاتی ہے ــــ اس کا بیمہ کر لیتی ہے۔ وہ شخص اس رقم کو بالاقساط ادا کرتا ہے جب وہ رقم پورے طور پر ادا کر دیتا ہے تو اس کا بیمہ مکمل ہو جاتا ہے اگر بیمہ کرانے والا اس مدت تک زندہ رہتا ہے جس کا بیمہ کمپنی کا ڈاکٹر اندازہ کرتا ہے اور اپنی اقساط پوری کر کے انتقال کر جاتا ہے تو کمپنی اس کے پسماندگان میں سے جسے وہ نامزد کرتا ہے یا نامزد نہیں کرتا تو اس کے قانونی ورثاء کو وہ رقم معہ کچھ سود کے مل جاتی ہے اور اگر وہ شخص کمپنی کے ڈاکٹر کی اندازہ کردہ عمر (۵۰ سال) سے پہلے ہی دار البقاء کی طرف رخت سفر باندھ لیتا ہے خواہ کسی حادثہ کی وجہ سے یا اپنی طبعی موت مر کر تو انشورنس کمپنی اس کے ورثاء کو وہ رقم مع کچھ زائد رقم کے واپس کر دیتی ہے مگر اس صورت میں شرح منافع زیادہ ہوتی ہے ایک تیسری صورت بھی ہے اگر بیمہ کرانے والا اس معینہ مدت (۵۰ سال) کے بعد بھی زندہ رہتا ہے تو وہ اس کی جمع شدہ رقم مع سود کے واپس مل جاتی ہے مگر اس صورت میں شرح سود کم ہوتی ہے۔

اعضاء کا بیمہ : لائف انشورنس تو پورے جسم کا ہوتا ہے مگر اس کے علاوہ اعضاء کے بیمہ کا رواج بھی چل نکلا ہے مثلاً ٹانگوں کا بیمہ، انگلیوں کا بیمہ وغیرہ۔ اس کا طریقہ کار اور شرائط وغیرہ بھی وہی ہیں جو لائف انشورنس میں مذکور ہیں [۵]

---

۵ Cheshire and Fifoot: Law of Contract, London, 1964, P. 497

۶۔ موجودہ انشورنس کی چند جائز مروجہ صورتیں

اس وقت دنیا کے مختلف ممالک میں انشورنس کی دو شکلیں ایسی ہیں مروج ہیں جو اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل جائز بلکہ مستحسن ہیں وہ دو شکلیں ہیں۔

۱۔ اجتماعی انشورنس۔

۲۔ تبادلی انشورنس۔

۱:۶ **اجتماعی انشورنس**: اس نظام انشورنس کے تحت دنیا کی مختلف حکومتیں اپنے مزدوروں اور بسا اوقات دیگر کارکنوں کو بڑھاپے مرض اور ریٹائرمنٹ کی صورت میں کفالت کرتی ہیں اس کی مختلف صورتیں اور شکلیں مروج ہیں مثلاً پنشن کی صورت میں امداد، بڑھاپا الاؤنس، میڈیکل الاؤنس بیروزگاری الاؤنس[۶] وغیرہ برطانیہ اور جرمنی کا نظام اس سلسلہ میں قابل تعریف ہے۔ اسلام نظام کفالت عامہ میں اجتماعی انشورنس کو صرف عمال کے طبقہ تک نہیں بلکہ تمام شہریوں تک عام کرتا ہے اسلام کے "نظام تکافل" میں اجتماعی انشورنس" اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔

۲:۶ **تبادلی انشورنس**: تبادلی انشورنس کا کام تعاونی انجمنیں چلاتی ہیں۔ ان انجمنوں کے تمام حصہ داران کسی نہ کسی صورت میں کسی خاص خطرے کے سد باب کے لئے اکٹھے ہوتے ہیں۔ یہ انجمنیں اپنے تمام شرکاء سے سال کی ابتدا میں ان کے کسی خاص خطرہ کی انشورنس کے معاوضہ کے طور پر ایک مخصوص رقم لے لیتی ہے (یہ ضروری نہیں کہ تمام شرکاء برابر رقم

---

۶ الدکتور حسین حامد حسان: حکم الشریعۃ الاسلامیہ فی عقود التامین، دارالاعتصام، قاہرہ۔ ص ۳۱، ۳۲، ۱۳۹۶ھ ۱۹۷۶ء۔

دیں) پھر انجمن سال بھر میں اپنے شرکاء میں کسی کو پیش آمدہ خطرہ یا نقصان کے ازالہ کے لئے جتنی رقم خرچ کرتی ہے اگر وہ رقم اس شخص کی سال کے ابتداء میں دی گئی رقم سے زیادہ ہے تو انجمنیں یا کمپنی باقی کا اس سے مطالبہ کرتی ہے۔ اور اگر اس کے خطرہ یا تحفظ یا نقصان کے ازالہ پر اٹھنے والے اخراجات کم ہیں تو اس کی باقی رقم واپس کر دیتی ہے۔ گویا تبادلی انشورنس میں تو صرف وقوعہ خطرہ یا نقصان کے وقت کمپنی اپنے ممبر کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑتی، بلکہ اس کی پریشانی کو حل کرتی ہے۔ اور اسے سنبھالا دیتی ہے انشورنس کی اس شکل میں موجودہ نظام انشورنس کی قباحت نہیں پائی جاتی ہے۔

اسلام کے "نظام تکافل اجتماعی" میں یہی کام "اسلامی معاشرہ" کے سپرد ہے جس کا مفصل ذکر آئندہ صفحات میں آرہا ہے۔

۷۔ انشورنس کا آغاز و انجام

یہ بیمہ کا کاروبار جو آج خود غرضی، جوا، سٹہ، مذموم سرمایہ داری اور دھوکہ دہی کی صورت اختیار کر کے سامنے آیا ہے اور جسے مغرب کا نظام فلاح اور خیر خواہی سمجھ کر یہ نسلیں قبول کر رہی ہیں اور اس کے دام فریب میں غول کے غول اپنے پیروں چل کر آپڑ رہی ہیں۔ اس کے اصل بانی و موسس عرب مسلمان تھے، جنہوں نے اس کی بنیاد موجودہ انشورنس کی غلاظتوں سے پاک محض باہمی ہمدردی، مستقبل کے خطرات سے تحفظ اور نقصانات کی تلافی پر رکھی ہے۔ بحری تجارت میں حصہ لینے والے مسلمانوں نے تجارتی بیمہ کی بنیاد ڈالی۔ جو زمانیہ (ضمانیہ) کے نام سے متعارف تھی۔ جوں جوں مسلمانوں میں ملوکیت بڑھتی گئی یہ کام بلقانی یہودیوں نے سنبھال لیا اور جوں ہی مسلمانوں نے قسطنطنیہ سے آگے قدم بڑھائے وہ لوگ جنوبی یورپ چھوڑ کر شمال کی طرف روانہ ہو لئے اور انہی لوگوں نے انگلستان پہنچ کر وہاں موجودہ نظام انشورنس کو رواج دیا جس نے بعد میں لاڈز (Lloyds) کے نام سے شہرت پائی۔ یورپین محققین نے بالاتفاق اس امر کا اعتراف

کیا ہے کہ مسلمانِ اندلس نے تجارت کے تحفظ اور ارتقار کے لئے بحری بیمہ کی بنا رکھی ؎[۷]

اسلامی ممالک کی پہلی معاشی کانفرنس میں افتتاحی تقریر کرتے ہوئے ـــــ جناب غلام محمد نے کہا "ممکن ہے بہت سے لوگ اس سے واقف نہ ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے یورپینوں سے صدیوں پہلے اسلامی اصولوں کے مطابق جہازرانی کا بیمہ شروع کیا ؎[۸]

"ردالمحتار" اسلامی فقہ کی پہلی کتاب ہے جس میں انشورنس سے متعلق احکام ملتے ہیں۔ اس کتاب کا زمانہ تیرھویں صدی ہجری بمطابق ۱۸۰۰ء کا ہے۔ اس دور کے مشہور فقیہ ابن عابدین رح فرماتے ہیں:۔

"اور ہماری اس تقریر سے اس سوال کا جواب بھی ظاہر ہو گیا ہے جس کے بارے میں آجکل کثرت سے سوال کئے جا رہے ہیں۔ اب طریقہ یہ ہو گیا ہے کہ تاجر جب بھی کسی حربی ؎[۹] سے کوئی بحری جہاز کرائے پر لیتے ہیں تو اس کا کرایہ ادا کرنے کے ساتھ ہی ساتھ دارالحرب کے کسی باشندے کو جو اپنے علاقہ میں مقیم رہتا ہے کچھ رقم اس شرط پر دے دیتے ہیں کہ جہاز میں لدے ہوئے مال کے آتش زدگی، غرقابی اور لوٹ مار ہو جانے کی صورت میں یہ شخص مال کا ضامن ہوگا اور جو رقم اس شخص کو اس خطرہ کی پیش بندی کے معاوضے کے طور پر دی جاتی ہے اسے "سوکرہ" (بیمہ کی رقم) کہا جاتا ہے۔ اس کا ایجنٹ ہمارے ملک کے شہروں میں شاہی اجازت نامہ کے بعد مستامن ؎[۱۰] بن کر رہتا ہے۔ جو تاجروں سے بیمہ

؎[۷] چوہدری محمد بلال، بیمہ اور اسلام، پبلشرز چوہدری اینڈ کمپنی انشورنس پرنٹرز اینڈ پبلشرز۔ ایبک روڈ انارکلی لاہور، ص ۸، ۷۔

؎[۸] الہدیٰ حیدرآباد دکن مورخہ ۱۸ صفر المظفر ۱۳۶۸ھ موافق ۹ دسمبر ۱۹۴۹ء بحوالہ اردو ڈان۔

؎[۹] دارالحرب کے باشندے۔

؎[۱۰] دارالحرب کا وہ باشندہ جو اسلامی حکومت میں اجازت لے کر حکومت کی امان میں رہے۔

کی رقم وصول کرتا ہے اور مال کے تلف ہو جانے کی صورت میں انہیں پورا پورا معاوضہ ادا کرتا ہے۔"[۱۱]

یہ آل عثمان کا دور تھا اور بیمہ کمپنیوں کا عمل دخل ترکی حکومت میں جاری تھا۔ یورپی ممالک سے جو جہاز ترکی میں آتے تھے ان کا بیمہ لازمی کرایا جاتا تھا اور ایجنٹ ترکی کے ساحلی شہروں میں حکومت کی باقاعدہ اجازت سے رہتے تھے اور بیمہ کا کاروبار کرتے تھے۔

مسٹر الفرڈ منز نے انشورنس کے تاریخی ارتقاء پر بحث کرتے ہوئے انشورنس کی تین ارتقائی صورتیں ——— امداد باہمی، سرمایہ کاری اور سرکاری بیمہ ——— متعین کی ہیں۔ اور ان کی ارتقائی تاریخ بھی الگ الگ متعین کی ہیں۔ جہاں تک انشورنس بحیثیت امداد باہمی کا تعلق ہے اس سلسلہ میں انہوں نے کسی سن وغیرہ کا ذکر نہیں کیا صرف اتنا ہی کہتے ہیں کہ انشورنس کی اس قسم کے محرکات ماضی میں ویسے ہی تھے جیسے آج کل پائے جاتے ہیں یعنی باہمی ہمدردی (شاید یہی وہ طریقہ ہے جس کا آغاز اندلس کے عرب مسلمانوں نے کیا)

انشورنس کی سرمایہ دارانہ قسم کا آغاز بحری بیمہ سے ہوا۔ جس کی ابتداء رومیوں نے کی۔ جس کا مقصد تجارت اور نفع اندوزی تھا۔ آگ کے بیمے کا آغاز ۱۶ صدی عیسوی میں نجی کاروبار کی حیثیت سے ہوا بعد میں سرکاری اور نجی دونوں صورتوں میں قائم رہا۔ جس نے ۱۷۰۰ء میں وسیع سرمایہ کاری کی شکل اختیار کر لی۔

۱۶۶۸ء میں پیرس میں جہاز بیمہ کمپنی کی ابتداء ہوئی۔ انگلینڈ میں ۱۷۲۰ء میں ایسی کمپنیوں کا کاروبار شروع ہوا۔ ۱۷۶۵ء میں جرمنی میں اس قسم کی انشورنس کمپنیوں کا آغاز ہوا اسی سال

---

[۱۱] ردالمحتار: باب المستامن جلد ۳ ص ۳۴۵۔

[۱۲] Alfred Mans: Encyclopaedia of Social Sciences, Vol. 7, Article on Insurance, PP. 97-98

ن میں ایسی کمپنیاں قائم کی گئیں۔

حادثات کے بیمہ کا رواج ۱۸۴۵ء میں اور ذمہ داریوں کے بیمہ کا وجود ۱۸۷۶ء میں ظاہر ہوا۔ جہاں تک لائف انشورنس کی موجودہ شکل وصورت کا تعلق ہے یہ بحری جہازوں کے بیمہ کے تقریباً ایک سو سال بعد قائم ہوئی۔ اس تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ لائف انشورنس کے لئے سائنسی بنیادوں کی ضرورت تھی۔

باب ۲

انشورنس شریعت اسلامیہ کی روشنی میں

مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام کا مجوزہ نظام انشورنس کے بیان کردہ اغراض و مقاصد کے پیش نظر تو یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ ایک سود مند اسکیم ہے جس میں کم از کم بیمہ دار کے دکھوں کا مداوا ہو جاتا ہے لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسلام میں انشورنس اپنی موجودہ شکل و صورت اور شرائط کے ساتھ جائز ہے؟ تو اس کا جواب یہی ہوگا کہ انشورنس اپنے بنیادی مقاصد (امداد باہمی مستقبل کے خطرات سے حفاظت اور نقصان کی صورت میں تلافی) کے ساتھ نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے لیکن انشورنس کی جو موجودہ صورت ہے جس میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کے مفاسد پائے جاتے ہیں، اس کی شریعت اسلامیہ میں کوئی گنجائش نہیں۔ آیئے سب سے پہلے ان مفاسد کا جائزہ لیتے چلیں جو موجودہ نظام انشورنس میں پائے جاتے ہیں۔

۱۔ موجودہ نظام انشورنس کے مفاسد

موجودہ نظام انشورنس میں گو دینی اور دنیوی دونوں قسم کے مفاسد پائے جاتے ہیں لیکن ان کی الگ الگ تقسیم مشکل ہے کیونکہ اس کا کوئی ایک مفسدہ اگر شرعی لحاظ سے ناجائز ہے تو وہی مفسدہ دوسری طرف دنیوی لحاظ سے تباہ کن بھی ہے مثلاً موجودہ نظام انشورنس کا ایک نمایاں مفسدہ سود اگر دینی اعتبار سے حرام ہے تو دوسری طرف وہی معاشی تمدن کو بھی گھن کی طرح چاٹ رہا ہے لہٰذا ہم یہاں ان مفاسد کا ذکر کریں گے جن کی حرمت اور تباہ کاری پر تمام علماء کرام کا اتفاق ہے۔ چند مفاسد یہ ہیں۔

۱۔سود ۲۔قمار ۳۔غیر شرعی شرائط ۴۔سٹہ بازی اور دھوکہ بازی

(۱) **سود** : انشورنس کے کاروبار کا حقیقت شناس یہ امر بخوبی جانتا ہے کہ اس کاروبار میں شریعت کا اصطلاحی ربوا دو صورتوں میں پایا جاتا ہے۔

(۱) انشورنس کمپنی جو سرمایہ مختلف افراد سے اکٹھا کرتی ہے اسے کاروباری کمپنیوں یا افراد کو سود پر دیتی ہے اور ان سے سود وصول کر کے کچھ بیمہ کمپنیوں کے مالکان کھا لیتے ہیں اور کچھ بیمہ داروں میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

(۲) انشورنس کمپنی بیمہ دار شخص کو مدت بیمہ مکمل ہونے پر یا حادثہ دغیرہ کی شکل میں مقررہ مدت سے پہلے ہی وہ رقم ادا کر دیتی ہے جس پر بیمہ دار کی زندگی یا جائداد کا بیمہ کیا گیا تھا۔

اب بیمہ کمپنی جو رقم بیمہ دار کو ادا کر دیتی ہے اس کی مندرجہ ذیل دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) کمپنی مدت بیمہ کی تکمیل کے بعد بیمہ دار کی اصل رقم (فرض کیا ۵۰۰۰ روپے) واپس کر دیتی ہے۔

(۲) کمپنی بیمہ دار کی اصل رقم سے زائد ادا کرتی ہے مثلاً ۷۰۰۰ روپے۔

ان دونوں صورتوں میں اسلام کے اصطلاحی ربوا کی دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔ پہلی صورت میں جب کمپنی بیمہ کی مقررہ مدت کے بعد بیمہ دار کی اصل رقم کے برابر رقم ادا کرتی ہے تو یہ ربوا بالنسیہ ہوگا گویا یہاں نقد کی بیع نقد روپے کے ساتھ کی گئی ہے یعنی ۵۰۰۰ روپے کے عوض میں ۵۰۰۰ روپے ادا کئے گئے اور تمام فقہاء اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر نقد کی بیع نقد کے ساتھ ادھار پر کی جائے تو یہ ربوا بالنسیہ ہوگا۔[1]

---

[1] الدکتور حسین حامد حسان، حکم الشریعۃ الاسلامیۃ فی عقود التامین دار الاعتصام، قاہرہ ۱۹۶۹ء ص ۸۰، ۸۱۔

اس صورت کی ذرا وضاحت کرتے ہیں۔ بیمہ دار کمپنی کو جو رقم بالاقساط ادا کرتا ہے۔ وہ کس چیز کی قیمت ہے جو اس نے بیمہ کمپنی سے خریدی ہے؟ یا کون سا قرض اس نے بیمہ کمپنی سے لیا ہے جس کی بالاقساط ادائیگی کی جارہی ہے کیا بیمہ کمپنی کی بیمہ پالیسی مال ہے یا قرض حسنہ ہے؟ ظاہر ہے وہ مال ہے نہ قرض حسنہ پھر ادائیگی کس لیے؟ بیمہ کمپنی والے اور بیمہ کے مؤیدین اسے کوئی نام دیں وہ قرض ہے جسے بیمہ کمپنی بعد میں مع سود کے ادا کرے گی۔ گویا بیمہ کمپنی نے نقد کی بیع نقد کے ساتھ کی ہے۔ جسے فقہائے اسلام کی اصطلاح میں ربوا بالنسیہ (ادھار پر سود) کہا جاتا ہے۔[2]

دوسری صورت میں اگر مقررہ مدت سے قبل حادثہ کی صورت میں کمپنی بیمہ دار کی ادا کردہ اقساط کی رقم (فرض کیا ۲۰،۰۰۰ روپے) سے زائد (یعنی ۵۰،۰۰۰ روپے جن پر بیمہ ہوا تھا) ادا کرتی ہے تو یہ ۳۰،۰۰۰ روپے زائد بغیر کسی عوض کے ہیں لہٰذا فقہا کے نزدیک اس بغیر عوض کے زیادتی کی صورت میں بالفضل (نقد لین دین میں زیادتی) اور ربوا بالنسیہ دونوں پائے جاتے ہیں ان نظریات کی تائید مندرجہ ذیل اقوال سے ہوتی ہے۔

(ا) ربا النسیئة یحرم فی النقود مطلقاً[3] (نقود کے لین دین میں ربوا نسیہ مطلقاً حرام ہے۔

(ب) "ان الزیادة الخالیة عن عوض هو مال من الربا الذی لایخفی علی احد[4]"
(کسی عوض کے بغیر جو زیادتی (مال پر) دی پائی جاتی ہے ربوا کا مال ہے اور یہ کسی پر مخفی نہیں ہے)

---

[2] ابن قیم جوزیہ: اعلام الموقعین ۲: ۹۹-۱۰۰ مطبع منیرہ قاہرہ۔
[3] حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر، جلد ۳، ص ۲۵۔
[4] ایضاً۔

(ج) اجمع العلماء على ان بیع الذھب بالذھب والفضة (ای النقد بالنقد) لا یجوز الا مثلا بمثل یدا بید[5]

(علماء کا اس پر اجماع ہے کہ سونے کی بیع سونے کے ساتھ اور چاندی کی چاندی کے ساتھ (یعنی نقد کی بیع نقد کے ساتھ) ادھار پر جائز نہیں ہاں اگر برابر ہو اور دست بدست ہو (تو جائز ہے)

اب ان تینوں اقوال کا اطلاق انشورنس کی رقم کی ادائیگی پر کیجیئے مذکورہ بحث کی روشنی میں فرض کریں بیمہ کمپنی بیمہ دار کو اس کی اصل رقم بغیر کسی زیادتی کے واپس کرتی ہے تو یہ ربوا بالنسیہ (یعنی ادھار پر سود) ہے جو شریعت اسلامی رو سے حرام ہے جیسا کہ قول الف۔ ج سے واضح ہے مثلاً جب کوئی دوسرے شخص سے کہے "تم اپنے ۲۰۰ روپے مجھے ایک سال کے لئے تین سو روپے عوض فروخت کرو تو یہ حرام ہے البتہ قرض حسنہ کے نام پر ۳۰۰ روپے ایک سال کے لئے لینا دینا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے اور انشورنس کمپنی یہ رقم قرض حسنہ کے نام پر نہیں لیتی بلکہ وہ یہ رقم ایک موہوم بیمہ پالیسی کے عوض حاصل کرتی ہے، فرض کریں ایک بیمہ دار ۵۰ ہزار روپے بالا اقساط ادا کر کے ۵۰ ہزار روپے کی بیمہ پالیسی خریدتا ہے گویا نقد کے بدلے نقد خریدتا ہے اور ایسا کرنا حرام ہے۔ قول و، ج کی بنیاد پر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ ہے۔

عن عبادة بن صامتؓ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الذھب بالذھب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعیر بالشعیر والتمر بالتمر والملح بالملح مثلا بمثل سواء بالسواء یدا بید۔ فاذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم اذا کان یدا بید[6]

---

[5] ابن رشد: بدایۃ المجتہد والنہایۃ المقتصد، مطبع صبیح، طبع اول: جلد ۲: ص ۱۴۷

[6] مسلم بن حجاج القشیری: صحیح، ج ۲، نور محمد اصح المطابع کراچی (سن طباعت درج نہیں) کتاب البیوع، باب الربا، ص ۲۵۔

ترجمہ: حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سونے کا تبادلہ سونے سے اور چاندی کا تبادلہ چاندی سے، اور گیہوں کا تبادلہ گیہوں سے اور جو کا جو سے، خرما کا خرما سے اور نمک کا نمک سے یکساں، برابر، اور دست بدست ہونا چاہیئے (یعنی ناپ تول میں مساوی ہوں اور ادھار میں بھی مساوی ہی ہوں) اور اگر ان اجناس کا تبادلہ ہم جنس کے ساتھ نہ ہو تو کمی بیشی کے ساتھ جس طرح چاہو معاملہ کرو لیکن معاملہ ادھار کا نہ ہو۔ بلکہ دست بدست ہونا ضروری ہے مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی رحمۃ اللہ نے اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے "یہ حدیث جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم، سے روایت ہے اور اصطلاح حدیث میں مشہور بلکہ تواتر کا درجہ رکھتی ہے۔"[ﷺ]

جہاں تک دوسری صورت کا تعلق ہے جس کی رو سے کمپنی بیمہ دار کی اصل رقم سے زائد جو کچھ منافع یا بونس کے نام پر دیتی ہے وہ اسلام کا اصطلاحی منافع نہیں ہے بلکہ وہ زیادتی ہے جو کمپنی اپنی طرف سے بغیر کسی عوض کے دیتی ہے وہ سود ہے جیسا کہ قول "ب" سے واضح ہے اگر کارکنان کمپنی کے بقول وہ کاروبار کا منافع ہے تو کاروبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟۔ اگر یہ شراکت ہے تو کیا شراکت کے اسلامی اصولوں کے مطابق ہے؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا تو پھر اس سرمایہ دارانہ نظام انشورنس کی موجودہ شکل کے غیر اسلامی ہونے میں کیا اشکال ہے؟۔

موجودہ نظام انشورنس کے بعض مؤیدین یہ کہتے ہیں کہ بیمہ دار کی اصل رقم پر زیادتی احسان اور تبرع ہے۔ ہم ان سے نہایت ادب سے درخواست کرتے ہیں یہ احسان اور تبرع صرف بیمہ دار کے لئے ہی کیوں ہے؟ ان بے نواؤں کے لئے کیوں نہیں جن کا نہ جہاز ڈوبتا ہے

ﷺ مولانا حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین دہلی، ص ۲۷۲: ۱۹۵۹ء

نہ ان کے روئی کے کارخانے کو آگ لگتی ہے۔ پھر احسان بھی کتنا سائنٹیفک، نپا تلا اور مقررہ شرح کے ساتھ۔!! ع ناطقہ سربگریباں ہے اسے کیا کہیئے؟

۲:۱ **قماربازی**: انشورنس کی یہ شرط کہ اگر بیمہ شدہ شخص یا شئے اس معینہ مدت (جس کے لئے بیمہ ہوا ہے) سے پہلے مر یا تلف ہو جائے تو اصل رقم کے ساتھ جو بونس ملے گا اس کی شرح زیادہ ہوگی (فرض کریں اس طرح ۵۰ فیصد) اور اگر اس معینہ مدت کے بعد تک وہ بیمہ شدہ شخص زندہ رہتا ہے یا جائیداد باقی رہتی ہے تو شرح بونس کم ہوگی (فرض کریں ۴۵ فیصد) جب کہ تلف ہونے کے وقت کا علم اور تعیین کرنا انسان کے بس کا روگ نہیں۔ اس شرط کے تحت انشورنس کا کاروبار قمار (جوا) سے مشابہ ہے۔ ہمارے اس نظریے کی دلیل الفرڈ مینز (Alfred Mans) کا وہ قول ہے جو وہ بیمہ کے قواعد و ضوابط کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

"ایسے معاملات میں انشورنس کے کاروبار میں شرط یا جوا کے عناصر شامل ہو جاتے ہیں[۸]"

قمار کے کاروبار میں علماء اسلام کا قاعدہ ملاحظہ فرمائیے۔

تعلیق الملک علی الخطر والمال فی الجانبین[۹]

(قبضہ کا کسی ایسی شئے پر موقوف رکھنا جس کے ہونے اور نہ ہونے کا برابر کا احتمال ہو اور مال دونوں طرف ہو)

اس احتمال کی تفصیل انشورنس کمپنی کے معاہدہ کی روشنی میں یہ ہے کہ اگر بیمہ دار معینہ مدت سے پہلے مر گیا تو رقم کی اتنی مقدار (فرض کیا ۶ ہزار) کا مالک ہوگا اور اگر معینہ مدت کے بعد زندہ رہا تو اتنی رقم (فرض کیا ۵۰۰۰/۴۵ روپے) کا مالک ہوگا مقدار رقم کی تعین نہیں۔ دونوں

۸؎ Preston and Colinrex:
The Laws of Insurance, London, 1966, P. 114

۹؎ مفتی محمد شفیعؒ و مفتی ولی حسن بیمہ زندگی، مطبع دارالاشاعت، کراچی ۱۹۷۲ء۔

طرح کا احتمال ہے زیادہ ملنے کا بھی اور کم ملنے کا بھی لہٰذا بیمہ کاروبار جوا ہے کیونکہ جوا کھیلنے والا نہیں جانتا کہ اسے کتنی ملے گی یا وہ کتنی رقم ہارے گا؟

جوا کی حرمت قرآن مجید میں آئی ہے۔

إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ [10]

ترجمہ: بلاشبہ شراب، جوا، بت اور پانسے ناپاک ہیں، کار شیطان ہیں پس ان سے بچو شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

میسر (جوا) کی تفصیل میں امام ابوبکر الجصاص فرماتے ہیں۔

ولاخلاف بین اھل العلم فی تحریم القمار وان المخاطرۃ من القمار - فقال (ابن عباسؓ) ان المخاطرۃ قمار وان اھل الجاھلیۃ کانوا یخاطرون علی المال والزوجۃ وقد کان مباحاً الی ان ورد تحریمہ [11]

ترجمہ: جوئے کی حرمت کے سلسلے میں اہل علم کے درمیان میں کوئی اختلاف نہیں اس فعل میں "خطرہ" کی ساری صورتوں کے شامل ہونے پر بھی اتفاق ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ رضی اللہ تعالی عنہما فرماتے ہیں کہ خطرہ (کم یا زیادہ ملنے کا احتمال) جوا ہے۔ اہل جاہلیت اپنے مال اور بیوی ہر دو کو داؤ پر لگاتے تھے شروع شروع میں اس اباحت تھی مگر پھر تحریم نازل ہوئی۔

خطر اور غرر: خطرہ وہ ہے جس کا "ہونا نہ ہونا" معلوم نہ ہو اور غرر بھی انجام سے

---

[10] المائدہ: آیت ۹۰

[11] ابوبکر جصاص: احکام القرآن: جلد ۱: ص ۳۸۸۔

بے خبری کو کہتے ہیں۔ ملک العلماء ابوبکر الکاسانی فرماتے ہیں۔

الغرر ما یکون مستور العاقبۃ۔ [۱۲]

ترجمہ: غرر وہ ہے جس میں انجام سے بے خبری ہو۔

فقہاء مالکیہ کے نزدیک "ماتردد بین السلامۃ والتلف" [۱۳] (غرر وہ ہے جو سلامتی اور ہلاکت کے درمیان ہو) اور شوافع کے نزدیک "کل ما یمکن ان یوجد وان لا یوجد" [۱۴] (غرر ہر وہ شئے ہے جس کے ملنے یا نہ ملنے دونوں طرح کے احتمالات پائے جاتے ہیں)

بیمہ کے کاروبار میں غرر اور خطر دونوں پائے جاتے ہیں مثلاً بیمہ شدہ شخص یا شئے کا مدت معینہ سے پہلے تلف ہونا یا مرنا باقی رہنا معلوم نہیں ہوتا۔ اور وہ کتنی رقم پائے گا، یہ بھی معلوم نہیں ہوتا یعنی زندہ رہا تو کم اور فوت ہو گیا تو زیادہ ۔ موت کا گو وقت معین ہے مگر اس کی کسی کو خبر نہیں لہٰذا جس کاروبار کو زندگی یا موت کے وقت (جو معلوم نہیں) کے ساتھ مشروط کیا جائے وہ جوا نہیں تو کیا ہے؟ اور اس میں غرر اور خطر بھی ہیں لہٰذا ایسا کاروبار حرام ہے۔

امام دارالہجرت حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ اسی قسم کے ایک معاملہ کی مثال دیتے ہیں۔

ان یعمد الرجل الی الرجل قد ضلت راحلتہ او دآبتہ او غلامہ ثمن ھذا الاشیاء خمسون دینارا فیقول انا اخذھا منك بعشرین دینارا فان وجدھا المتاع ذھب من مال البائع ثلاثین دینارا وان لم یجدھا ذھب البائع منہ بعشرین دینارا ولھما لا یدریان ایضا اذا وجدت تلك الضالۃ کیف تؤخذ وما حدث فیھا

---

[۱۲] ابوبکر الکاسانی: بدائع الصنائع جلد ۳، قاہرہ، ۱۹۹۰ء ص ۶۸۔
[۱۳] حاشیہ الدسوقی علی الشرح الکبیر: جلد ۳، ص ۲۵۔
[۱۴] حوالہ بالا، ص ۲۵۔

من امر اللہ تعالیٰ عزوجل ممایکون فیہ نقصھا وزیادتھا نھذا اعظم المخاطرۃ [۱۵]

ترجمہ: ایک شخص دوسرے شخص جس کی سواری یا سامان سفر یا غلام گم ہوگیا ہو کی اسطرح مدد کرتا ہے کہ اس کے گم شدہ مال کی قیمت ۵۰ دینار مقرر کر دیتا ہے اور صاحب مال سے کہتا ہے کہ تیرا یہ گمشدہ مال میں تجھ سے ۲۰ دینار میں لیتا ہوں (گمشدہ مال والا یہ جان کر کہ ملے نہ ملے چلو ۲۰ دینار ہی سہی قبول کر لیتا ہے) پھر اگر وہ اس گم شدہ مال کو پا لیتا ہے تو اس طرح وہ فروخت کرنے والے سے ۳۰ دینار اڑا لیتا ہے اور اگر نہیں تلاش کر پاتا پھر بیچنے والا اس سے ۲۰ دینار ہتھیا لیتا ہے اور دونوں نہیں جانتے کہ جب وہ (سودا کرنے والا) اس گمشدہ چیز کو پائے گا تو کسی طرح پائے گا، کس حال میں پائے گا؟ اور اللہ کا اس چیز پر کیا حکم واقع ہو چکا ہے جو اس میں نقص یا زیادتی کا موجب بن سکتا ہے اس طرح کا معاملہ کرنا بہت بڑا "خطر" ہے۔

اس مثال میں یہی بتایا گیا ہے کہ ایسا معاملہ جس میں انجام کے اچھے یا برے دونوں طرح کے ہونے کا احتمال ہو شرعاً درست نہیں۔ ایسا ہی معاملہ انشورنس کا ہے جس میں بیمہ دار کو موت کے مدت معینہ سے قبل آجانے کی صورت میں رقم کے زیادہ ملنے اور زندہ رہنے کی صورت میں کم ملنے، دونوں طرح کا احتمال ہوتا ہے اور یہ جوا ہے لہٰذا حرام ہے۔

۲:۱ **سٹہ بازی اور دھوکہ دہی**: موجودہ مروجہ نظام انشورنس میں سٹہ بازی اور دھوکہ دہی بھی ہے۔ دھوکہ دہی دونوں اطراف (بیمہ دار اور انشورنس کمپنی) سے ہوتی ہے۔ بیمہ دار ایسا بھی کرتا ہے کہ دھوکہ دے کر اپنی جائیداد کی ملکیت زیادہ ظاہر کر دی اور جب بیمہ ہو گیا تو سود کی رقم، جو اس کی مملوک شئے کی مالیت سے زائد تھی، وصول کرنے کے لئے اس شئے کو

---

[۱۵] امام مالکؒ: المدونۃ الکبریٰ؛ جلد ۳؛ ص ۲۵۴: ۱۳۲۴ھ

کو مخفی طریقہ سے تلف کر دیا ہے[15]

ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب کسی سرمایہ دار نے کارخانہ میں پڑے روئی کے ذخیرے کا ایک کروڑ کا بیمہ کرایا مگر کاروبار پر زوال آتے دیکھا تو اس ملک و ملت کے دشمن نے روئی کو آگ دکھا دی اور قوم سے انشورنس کمپنی کی معرفت ایک کروڑ روپیہ وصول کر لیا۔

دوسری طرف انشورنس کمپنی کا سرمایہ دار مالک ہے جو سبز باغ دکھا دکھا کر قوم کی دولت سمیٹتا ہے، اپنا ناپاک سودی کاروبار چمکاتا ہے اور لاکھوں روپے کھاتا ہے مگر اس بھولے بیمہ دار کو صرف کچھ فیصد دے کر خوش کر دیتا ہے۔ دراصل یہ ایسا قاتل ہے جس کے ہاتھ میں تلوار بھی نہیں ہوتی اور اپنے ابنائے جنس کو اس طرح موت کے گھاٹ اتارتا ہے کہ خون کا قطرہ بھی نہیں گرنے دیتا بلکہ اپنی سرمایہ داری کی قبا کو رنگنے کے لئے اسے پہلے ہی نچوڑ لیتا ہے اور اگر کبھی اس کو نقصان کا خطرہ ہوتا ہے تو اپنی بلا نہایت عیاری سے بیمہ داروں کے سر پر ڈال دیتا ہے جس کا خمیازہ پوری قوم بھگتی ہے۔

۱،۴ **فاسد شرائط** : ۹۔ موجودہ انشورنس کے کاروبار کا ایک مفسدہ اس کی فاسد شرائط ہیں ایسی شرائط جن کا تعلق غرر، خطر، اور جوا سے تھا ان کا ذکر ہم کر چکے ہیں لیکن ابھی تک ایک شرط جسے محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام قرار دیا ہے جسے کوئی بھی منصف مزاج "انسان دشمن شرط" کہے بغیر نہیں رہ سکتا یہ ہے کہ ایک متوسط طبقہ کا شخص جس نے اپنے لخت جگر کا بیمہ کرایا تھا ابھی اس نے چند اقساط ہی جمع کرائی تھیں کہ اس کا کاروبار زوال پذیر ہو گیا اور بقیہ اقساط ادا نہیں کر سکا اب انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اس کو اس کی پہلی جمع شدہ رقم واپس

---

[15] مولانا اسحاق سندیلوی: سوالنامہ مع بیمہ زندگی از مولانا مفتی محمد شفیعؒ و مولانا ولی حسن: دارالاشاعت کراچی، ۱۹۷۲ء، ص ۲-۳۔

مل جائے لیکن انشورنس کمپنی والے ایسا نہیں کرتے بلکہ اس کی رقم سوخت کر لیتے ہیں اور دنیا کی کوئی عدالت اسے واپس نہیں دلا سکتی۔ کیا یہ ظلم نہیں ہے؟

مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔ تینوں قسم کے بیموں بیمہ زندگی، بیمہ املاک اور بیمہ فرائض میں جو شرط ہے کہ جو شخص کچھ رقم بیمہ پالیسی کی جمع کرانے کے بعد باقی اقساط کی ادائیگی بند کر دے اس کی جمع شدہ رقم سوخت ہو جاتی ہے یہ شرط خلاف شرع اور ناجائز ہے قواعد شرعیہ کی رو سے ایسے شخص کو (جس نے بیمہ کرایا تھا) تکمیل معاہدہ پر مجبور تو کیا جا سکتا ہے اور عدم تعمیل کی صورت میں کوئی تعزیری سزا بھی دی جا سکتی ہے لیکن ادا کردہ رقم کو اس جرمانہ میں ضبط کر لینا جائز نہیں ہو سکتا۔ [۱۷]

البتہ کمپنی ایسے اصول بنا سکتی ہے جن کی رو سے ایسے بیمہ دار (جو اقساط کی ادائیگی خواہ مخواہ درمیان میں بند کر دیں) کے ضرر سے بچایا جا سکے مثلاً جو بیمہ دار اقساط کی ادائیگی بند کر دے اس کی رقم اس کاروبار کی تکمیل کے بعد ملے گی جس میں کمپنی نے اس کی اقساط سے جمع شدہ رقم لگا رکھی ہے یا اس سے کچھ فیس برائے حفاظت رقم وصول کی جا سکتی ہے۔

(ب) ایک دوسری غیر شرعی اور ظالمانہ شرط یہ بھی ہے کہ بیمہ دار اپنی بیمہ کی رقم جس وارث کے نام کروائے اس کو ملتی ہے۔ حالانکہ شریعت کی رو سے کسی مورث کی جائیداد اس کے شرعی ورثاء میں ان کے شرعی حصص کے مطابق تقسیم ہونی چاہیئے۔ یہ ظلم اور گناہ ہے جو بیمہ دار کمپنی کے ذریعے اپنے ورثاء پر کرتا ہے اور بیمہ کمپنی اپنی شرائط کی رو سے بیمہ دار کی اس وصیت یا نامزدگی کے خلاف نہیں کرتی۔ اس طرح بعض شرعی حقدار اپنا حق وارثت) حاصل نہیں کر سکتے)۔

الغرض مندرجہ بالا مفاسد کی روشنی میں یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام

---

[۱۷] مفتی محمد شفیعؒ و ولی حسن: بیمہ زندگی، ص ۱۸، دارالاشاعت کراچی، ۱۹۷۲ء۔

کے معتدل اور صالح نظام معیشت (جس کی بنیاد اخوت وہمدردی اور عام رفاہیت اور خوش حالی پر رکھی گئی ہے) میں موجودہ نظام انشورنس کے لئے کوئی جگہ نہیں کیونکہ یہ نظام سود، قمار، دھوکہ دہی، خطر اور غرر پر اپنی طرح ڈالتا ہے۔

فاضل جلیل استاد شیخ ابوزہرہ کے الفاظ اس سلسلے میں قابل توجہ ہے فرماتے ہیں اگرچہ انشورنس کی اصلیت تو تعاون محض تھی لیکن اس کا انجام بھی اس ادارہ کا سا ہوا جو یہودیوں کے ہاتھ میں پڑا، یہودیوں نے (اس نظام کو جس کی بنیاد مسلمانان اندلس نے تعاون علی البر والتقویٰ پر رکھی تھی) اسے ایسے یہودی نظام میں تبدیل کر دیا جس میں قمار (جوا) اور ربوا (سود) دونوں جاتے ہیں۔[18]

۲ **ایک اہم سوال**: اگر موجودہ نظام انشورنس شریعت اسلامیہ کی رو سے حرام اور مردود ہے تو کیا۔ اس میں کوئی ایسی ترمیم ممکن ہے کہ یہ نظام قابل قبول ہو سکے؟ اور بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ یہ نظام متعدی مرض کی طرح ممالک اسلامیہ میں عام ہو رہا ہے تو اس کا جواب یہی ہے کہ اسلام جو بنی نوع انسان کے لئے آخری ضابطۂ حیات ہے جو انسانی زندگی کے ہر پہلو سے ہر دور میں اور ہر ایک انسان کی راہنمائی کا دعویٰ رکھتا ہے اس کے نظام شریعت میں ایک باب اجتہاد کا ہے جو قیامت تک کھلا رہے گا اس کی روشنی میں علماء اسلام ہر دور میں نئے پیش آمدہ مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔

لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ علماء اسلام ہر نئی ایجاد اور ہر نئے فتنہ کے جواز کے لئے اپنی فقیہانہ قوتوں کو صرف کرتے رہیں بلکہ ان کی حیثیت حاملین علوم نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ہر نئے مسئلہ کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کریں

---

[18] لواء الاسلام: (مجلہ ازہر شریف) بحوالہ مولانا مفتی ولی حسن: بیمہ زندگی: ص ۴۴ کراچی: ۱۹۷۲ء۔

اور پھر اس کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کریں۔ البتہ ان سے یہ توقع کرنا کہ ہر ہر نئے فتنہ کے جواز کا فتویٰ دیں، یہ ان کے منصب علمی کے خلاف ہے۔

ہمارے بعض دوست یہ بھی کہتے سُنے گئے ہیں کہ علماء اسلام کی عادت ہے وہ ہر نئی ایجاد اور ہر نئے نظام کو فقہ کی عینک سے دیکھتے ہیں اور پھر اس کے جواز یا عدم جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ یہ ان مخلص علماء اسلام کی مجبوری ہے وہ جس کے بندے ہیں ہر بات میں اس کا حکم تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ایک عہد وفا کے پابند ہیں جو انہوں نے اللہ کریم سے کر رکھا ہے۔

اور وہ کون سا نیا مسئلہ ہے جس کے نظائر کتب فقہ میں نہیں اور یہی اسلام کی جامعیت کی دلیل ہے۔ انشورنس کا کاروبار جس کی ابتداء امداد باہمی کے اصول سے ہوئی تھی اور جس نے آج ایک مذموم سرمایہ دارانہ نظام کا روپ دھار لیا ہے جس کا تار و پود سود اور جوا سے بنا ہے علماء اسلام نے اس کا حل شرعی تلاش کیا ہے یہاں ہم نہایت اختصار سے علماء اسلام کی اس ترمیم و اصلاح کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس کے بعد انشورنس کا موجودہ نظام انسانیت کے لئے ذریعہ فلاح اور رفاہیت بن سکتا ہے۔

۳ **ترمیم و اصلاح**: ترمیم کے راہنما اصول یہ ہو سکتے ہیں۔

۱،۳ **شرائط میں ترمیم**: یعنی غیر شرعی اور ظالمانہ شرائط کو اسلامی شرعی اصولوں کی روشنی میں تبدیل کر دیا جائے مثلاً:

الف۔ یہ شرط کہ اگر بیمہ دار مدت بیمہ کی تکمیل سے قبل ہی فوت ہو جائے تو زیادہ شرح منافع (بونس) اور تکمیل مدت کے بعد تک زندہ رہے تو کم شرح منافع جو غرر اور خطر ہے۔ اس میں ترمیم یوں کریں کہ رقم مع منافع دونوں صورتوں میں یکساں ملے گی، اس طرح غرر اور خطر دونوں کے ناجائز اثرات ختم ہو جائیں گے۔

(ب) بیمہ دار اپنے خاندان کے جس فرد کے نام بیمہ کر رہا ہے اس کی موت کے بعد وہ رقم اسی کو ملتی ہے کسی اور کو نہیں لہٰذا اس کے دیگر ورثاء اگر ہوں تو وہ محروم رہ جاتے ہیں لہٰذا یہ ناجائز اور ظلم ہے۔

اس میں ترمیم یوں کی جا سکتی ہے باپ کو کہا جائے کہ تمام ورثاء کے لیئے اس رقم کا بیمہ کرائے تاکہ اس کی موت کے بعد وہ رقم جملہ ورثاء کو ملے جسے وہ اپنے شرعی حصص کے مطابق تقسیم کریں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بیمہ کمپنی والے بیمہ دار کی موت کے بعد وہ رقم خود اس کے ورثاء میں شریعت مطہرہ کی ہدایات کی روشنی میں تقسیم کر دیں۔ دوسرا طریقہ زیادہ موزوں اور بے غبار ہے۔

۲،۳ **کاروبار کے طریقہ کار میں ترمیم** اس کاروبار کو سود سے پاک کیا جائے جس کا طریقہ یہ ہوگا کہ بیمہ داروں کو ان کی رقوم پر ایک مقررہ شرح سود دینے کی بجائے انہیں مضاربت اور شرکت کے شرعی تجارتی طریقوں کی روشنی میں کاروبار میں شریک کیا جائے اور نفع و نقصان میں ان کے اموال کی نسبت کے مطابق انہیں شامل کیا جائے۔ اس طریق کار میں بیمہ داروں کو زیادہ سے زیادہ نفع ہوگا۔

آج کل انشورنس میں سرمایہ کاری کا جو طریقہ رائج ہے اس کے اعتبار سے مضاربت یا شرکتِ عنان کا طریقہ بہتر ہے یہاں ہم مختصراً مضاربت کے تجارتی طریقہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

مضاربت اس کاروبار کی شکل یہ ہوتی ہے کہ ایک فرد یا چند افراد سرمایہ

۱۹؎ مضاربت کے شرعی اصول کا یہ خلاصہ ہم نے عبدالرحمٰن الجزیری کی کتاب ←

فراہم کرتے ہیں سرمایہ دار کو اصطلاح فقہ میں رب المال کہتے ہیں دوسرا شخص یا کمپنی اس مال سے سرمایہ کاری کرتا ہے اصطلاح فقہ میں محنت یا کاروبار کرنے والے کو مضارب کہا جاتا ہے سالانہ نفع میں اسے اصل دار کو اور محنت کرنے والے کو ایک خاص نسبت سے حصہ دیا جاتا ہے فرض کریں اصل دار کو ½ اور محنت کرنے والے کو ½ حصہ ملے گا اور اصل رقم اصل دار کی ہوگی۔ نقصان کی صورت میں نقصان سارے کا سارا اصل دار برداشت کرے گا کیونکہ مضاربت کی محنت ضائع ہوگئی اور اصلدار کا سرمایہ۔

۲۔ مضارب کو جو رقم کاروبار کے لئے دی جائے وہ اس رقم کو آگے کسی دوسرے فرد کو مضاربت یا شرکت پر کاروبار کے لئے دے سکتا ہے بعض فقہاء کے نزدیک مضارب کو ایسا کرنے کے لئے اصل دار (اصل داروں) سے اجازت لینی پڑتی ہے کہ وہ رقم آگے کاروبار پر دے سکتا ہے یا نہیں اور بعض کے نزدیک اجازت ضروری نہیں بہرحال مضارب کو ایسا کرنے کی اجازت ہے انشورنس کمپنیاں جو رقم اکٹھی کرتی ہیں وہ انہیں آگے کاروبار کے لئے مضاربت کی شکل میں دے سکتی ہے۔

۳۔ جب مضارب اس رقم کو دوسرے شخص یا کاروباری ادارے کو دے گا تو اس کے ساتھ اپنی نئی شرائط طے کرے گا یعنی وہ جس شخص کو رقم دے رہا ہے اس سے کتنے فیصد منافع لے گا؟ وغیرہ۔ فرض کریں یہاں صاحب المال کا ½ اور مضارب کا ½ طے ہوتا ہے لیکن اس مضارب کا جو (جواب رقم کسی دوسرے کو کاروبار کے لئے دے رہا ہے) جو معاہدہ پہلے صاحب المال سے ہو چکا ہے اس کا اس نئے کاروبار میں دخل نہیں۔ وہ تو اس پہلے مضارب سے اپنا طے شدہ حصہ منافع میں سے لے گا۔

ـــــــــے "الفقہ علی مذاہب الاربعہ"، کی جلد قسم المعاملات، باب "المضاربت" سے نقل کیا ہے۔ تفاصیل کے لئے چاروں مذاہب کی کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

۴۔ حساب کتاب سال ختم ہونے کے بعد ہوگا اور اگر فریقین چاہیں تو حساب کتاب کے بعد کاروبار جاری رہے گا۔

منافع کی تقسیم کرتے وقت پہلے سارا نقصان منہا کیا جائے گا اور باقی جو بچے گا وہ مقررہ تناسب سے تقسیم ہوگا۔

۳۔ بیمہ کی مالیت کا تعین

کسی بیمہ دار شخص کا اس کی مالی حیثیت اور ذرائع آمدنی سے بڑھ کر اور کسی بیمہ کی جانے والی جائیداد کا اس کی قیمت سے زیادہ اور کسی ذمہ داری کا اس کے عوض سے بڑھ کر بیمہ نہ کیا جائے اور جو شخص دھوکہ دے کر اپنی جائیداد زیادہ بتائے یا اس کی مالیت زیادہ ظاہر کرے اور چھان پھٹک کے بعد اس کا دھوکہ ظاہر ہو جائے تو اسے عدالتوں سے تعزیراتی سزا دلوائی جائے جس کے لئے شرعی قوانین موجود ہیں۔

۴۔ انشورنس کے مؤیدین کے نقلی دلائل اور ان کا تجزیہ

بیمہ کے مؤیدین کے نقلی دلائل مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ انشورنس کمپنی اپنے بیمہ داروں کا جمع شدہ سرمایہ جہاں کہیں کاروبار میں لگا کر یا کسی ضرورت مند کو قرض دے کر جو سود کماتی ہے یا بیمہ دار کو اصل کے ساتھ جو منافع دا پنے کمائے ہوئے سود میں سے) دیتی ہے وہ شرعی ربوا نہیں ہے۔

۲۔ وہ یعتہ بالاجبر میں بیمہ کی بعض صورتوں میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ مسئلہ ضمان خطر الطریق بیمہ کی بعض صورتوں سے مشابہ ہے۔

۴۔ بیمہ کو عقد موالاۃ پر قیاس کر لیا جائے۔

۵۔ بیمہ کو بیع بالوفا کی طرح گوارہ کر لیا جائے۔

۶۔ بیمہ شریعت اسلامیہ کے ایک اہم مقصد کو پورا کرتا ہے کہ "الضرر یزال" (ضرر کی تلافی کی جاتی ہے) وغیرہا۔

آئیے اب باری باری ان احتمالات کے جوابات دیتے ہیں۔

۱:۴ بیمہ میں شریعت کا سود پایا جاتا ہے

جہاں تک پہلی دلیل یا احتمال کا تعلق ہے اس کا جواب بالتفصیل ہم پہلے درج کر آئے ہیں وہاں مختلف حوالہ جات اور مثالوں کے ذریعے یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ موجودہ نظام انشورنس میں شریعت کے ربوا کی دونوں صورتیں (ربوا بالفضل اور ربوا بالنسیہ) پائی جاتی ہیں اور اس کا انکار غالباً کمپنی والے بھی نہ کریں مگر نہ جانے ہمارے اسکالرز صاحبان کو انشورنس کا سود کیوں منافع نظر آتا ہے؟

۲:۴ بیمہ اور ودیعتہ بالاجر

ودیعتہ بالاجر کا جواز بیمہ کا جواز نہیں بن سکتا۔ ودیعتہ بالاجر کی صورت یوں ہے کہ ایک شخص اپنا کوئی مال یا روپیہ دوسرے شخص (امین) کے پاس اس اجازت کے ساتھ دیتا ہے کہ امین اس مال میں تصرف کر سکے گا اور امانت رکھنے والا اس کو امانت کی حفاظت کرنے پر کچھ مقررہ اجرت بھی ماہانہ یا سالانہ دیا کرے گا۔ اور امین اس کو یہ ضمانت دے گا کہ اگر مال ضائع ہو جائے گا تو وہ اس کا معاوضہ دے گا۔[۵۰]

انشورنس کا جواز ودیعتہ بالاجر کے جواز سے قیاس کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

---

[۵۰] مرغینانی، برہان الدین: الھدایہ، ج ۲، ایچ ایم سعید کمپنی، کراچی، سن طباعت درج نہیں، ص ۲۲۶۔ ابن عابدین، محمد امین: رد المحتار، ج ۳، باب المستامن، ص ۲۴۵۔

کیونکہ انشورنس کی رقم جس کی بالاقساط ادائیگی کی جاتی ہے وہ امانت نہیں رکھی جاتی بلکہ وہ تو اس موہوم پالیسی کی قیمت ہے جسے بیمہ دار خریدتا ہے حتیٰ کہ اگر پالیسی ہولڈر Policy Holders) ان اقساط کی ادائیگی کسی وجہ سے ادا کرنا بند کردے تو انشورنس کمپنی اس کی ادا شدہ رقم سوخت کرلیتی ہے۔ حالانکہ امانت کے ساتھ تو یہ سلوک نہیں کیا جاتا۔ دوسرے ودیعۃ بالاجر رکھنے والا امین کو اس ودیعۃ (امانت) کی حفاظت کرنے پر کچھ اجرت دیتا ہے۔ جبکہ کمپنی والے تو رقم (بالاقساط) جمع کرانے والے کو سود (بنام بونس) دیتے ہیں گویا ودیعۃ بالاجر اور انشورنس کی رقم دونوں ایک دوسرے کی الٹ ہیں۔ تیسرے ودیعۃ (امانت) اگر امین سے بلاارادہ ضائع ہو جائے تو امین سے کسی قسم کا تاوان یا عوض نہیں لیا جاتا جبکہ انشورنس کمپنی اور بیمہ دار کے درمیان ہونے والے معاہدہ میں اس قسم کی کوئی شق نہیں ہوتی الغرض، انشورنس کا ودیعۃ (امانت) بالاجرۃ کے ساتھ جوڑ ملانا کسی طرح بھی جچتا نہیں۔

۲:۴ انشورنس اور مسئلہ ضمان خطر الطریق

مسئلہ ضمان خطر الطریق کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص کسی مسافر سے کہے "تم اس راستے پر سفر کرو یہ راستہ بالکل محفوظ ہے اور اگر تمہارا مال واسباب لٹ جائے تو میں تمہارے مال کا ضامن ہوں" اب اگر اس راہ پر سفر کرتے ہوئے اس مسافر کا مال واسباب لٹ جائے تو وہ شخص اس کے مال واسباب کے معاوضہ کا ضامن ہے کیونکہ اس نے راستہ کی سلامتی بتاتے ہوئے بالصراحت یہ کہا تھا کہ اسباب لٹ جانے کی صورت میں وہ ضامن ہوگا۔ البتہ اگر وہ شخص راہ گیر کو صرف یہ کہتا کہ یہ راستہ سلامتی کا ہے اور پھر اس راہ گیر کا اسباب لٹتا تو وہ شخص ضامن نہ ہوتا کیونکہ اس کے بیان سلامتی میں ضمانت کا اقرار نہیں اب مذکورہ صورت مسئلہ کی رو سے یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ انشورنس کا "ضامن علی خطر الطریق" پر قیاس کرنا غلط ہے کیونکہ راستہ کی سلامتی کی ضمانت دینے والا یہ ضمانت

دے رہا ہوتا ہے کہ مسافر کا سامان لٹے گا نہیں جبکہ انشورنس کمپنی بیمہ شدہ شخص یا چیز کے تلف یا ہلاک نہ ہونے کی ضمانت نہیں دیتی بلکہ نقصان یا معاوضہ پورا کرنے کی ضمانت دیتی ہے یہ ضمانت سے بڑھ کر جوا ہے کیونکہ انشورنس کمپنی تو اس لالچ میں نقصان کی تلافی کی ذمہ داری قبول کر رہی ہوتی ہے کہ بیمہ شدہ شخص زیادہ دیر تک زندہ نہ رہے گا جس کے نتیجے میں انشورنس کمپنی کو زیادہ رقم (بصورت قیمت پالیسی) ملے گا جسے وہ سود پر دے کر سرمایہ کاری کرے گی جبکہ "ضمان علی خطر الطریق" دینے والا اگر یہ ضمانت بغیر کسی معاوضہ کے دیتا ہے تو پھر اسے دھوکہ دینے والا کہا جائے گا جو راستہ کی عدم سلامتی سے گویا واقف تھا مگر اس نے مسافر کو دھوکہ سے ایک غیر محفوظ راستہ پر ڈال کر اس کا سامان لٹوا دیا۔ لہٰذا وہ حسب وعدہ خسارہ پورا کرے اور اگر اس نے کوئی معاوضہ لے کر ضمانت دی ہے (جیسے ڈاک خانہ والے کرتے ہیں) تو پھر سامان گم ہونے یا لٹنے کی صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ اس نے حفاظت سامان کی اجرت لی مگر حفاظت سامان کی ذمہ داری پوری نہ کی لہٰذا وہ جرمانے کے طور پر خسارہ مال ادا کرے مگر انشورنس کمپنی اور بیمہ دار دونوں خطرہ کی حالت میں ہوتے ہیں کیونکہ بیمہ دار بیمہ کراتے ہی اس لیے ہیں کہ ان کی ہلاکت یا بیمہ شدہ شئے کے اتلاف جیسے خطرات کا تحفظ ہو سکے اور بیمہ کمپنی کو یہ خطرہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ بیمہ شدہ شخص یا شئے وقت سے پہلے ہی ہلاک یا تلف نہ ہو جائے ورنہ اسے نقصان یا معاوضہ دینا پڑے گا گویا انشورنس کمپنی خود انجام سے آگاہ نہیں۔ لہٰذا اس کا معاہدہ ہی قمار پر مبنی ہے مگر ضمان علی خطر الطریق میں یہ عنصر قمار نہیں ہوتا کیونکہ وہاں تو ضامن جانتا ہوتا ہے کہ یہ راستہ پر امن ہوتا ہے یا نہیں اور پر امن نہ ہونے کی صورت میں اس کا کسی کو ضمانت امن دینا دھوکہ ہے اور دھوکہ کی سزا میں وہ ہرجانہ ادا کرے گا۔[۲۱] البتہ ڈاکخانہ کے بیمہ (انشورنس) کو "ضمان علی خطر الطریق" پر قیاس کر کے اسے درست کہا جا سکتا ہے

---

[۲۱] ابن عابدین، فتاویٰ شامی (رد المحتار)، ج ۳، باب المستامن، ص ۲۴۵

اور ڈاکخانہ کے انشورنس کے شرعی ہونے پر علماء کرام کا اتفاق ہے۔

۴:۴ انشورنس اور بیع بالوفا،

بیع بالوفا کی صورت یہ ہوتی ہے جب ایک شخص (بائع) دوسرے شخص (مشتری) سے یہ کہے "میں نے یہ دوکان تمہیں فروخت کر دی ہے" اور پھر یہ شرط طے کر لے اور اس کو تحریر لکھا دے کہ "جب میں تمہیں قیمت ادا کر دوں تو تمہیں دوکان مجھے واپس کرنی ہوگی"۔ اس بیع کے بارے میں فقہاء کا شدید اختلاف ہے بعض اسے رہن کہتے ہیں، بعض بیع کہتے ہیں، بیع کہنے والوں میں بھی اختلاف ہے بعض کہتے ہیں بیع فاسد ہے جبکہ بعض کے نزدیک بیع صحیح ہے۔ جمہور علماء کرام کے نزدیک یہ بیع ہے کیونکہ اس میں یہاں بیع وشراء کے الفاظ پائے جاتے ہیں۔ اگر بیع کے اندر واپسی کی شرط کی گئی تو بیع فاسد ہے اور اگر ایجاب وقبول کے بعد شرط عائد کی گئی تو بیع صحیح ہے اور یہ شرط ایک وعدہ ہے جس کی وجہ سے بیع میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

لہٰذا انشورنس کے مؤیدین یہ کہتے ہیں کہ جس طرح بیع بالوفا میں وہی مبیع (بیچی اور خریدی جانے والی چیز) بائع کو واپس فروخت کر دی جاتی ہے اس طرح بیمہ کمپنی والے بیمہ دار سے ایک مقررہ رقم لے کر (گویا کہ خرید کر) وہی رقم (گویا کہ مبیع) بیمہ دار (گویا کہ مشتری) کو واپس کر (بیع) دیتے ہیں۔ لیکن انشورنس اور بیع بالوفا میں مندرجہ ذیل باتوں میں فرق پایا جاتا ہے۔

۱۔ بیع بالوفا میں ایک چیز یا جنس کی خرید وفروخت ہوتی ہے، انشورنس میں روپیہ کی خرید وفروخت ہوتی ہے اور شریعت میں نقد کی بیع کمی بیشی کے ساتھ حرام ہے کیونکہ اسمیں سود کا عنصر پایا جاتا ہے۔

۲۔ بیع بالوفا میں بائع کو وہی مبیع بعینہ مل جاتی ہے بالشرطیکہ معاہدہ بیع میں پیشگی واپسی

۲۲ے مفتی ولی حسن "بیمہ زندگی" ص ۱۵۔

کی شرط نہ ہو) مگر انشورنس میں تو چند اقساط ادا کرنے کے بعد بیمہ دار اقساط کی بند کر دے تو بیمہ کمپنی والے انہیں ہضم کر لیتے ہیں اور ڈکار بھی نہیں لیتے یوں بیمہ دار بیچارے کو سوائے انشورنس کمپنی کو سنے اور ان کی غیبت کرنے کے اور کچھ نہیں ملتا۔ گویا کہ بیع بالوفا میں تو "وفا" کی جاتی ہے مگر انشورنس میں تو بے وفائی بھی ہوتی ہے۔

انشورنس کا معاہدہ بیع بالوفا کی مانند بھی نہیں کیونکہ بیع بالوفا کا جواز بھی اس صورت میں ہے کہ بیع کا معاہدہ کرتے وقت بائع پیشگی یہ شرط نہ لگائے کہ مبیع بعد میں اسے واپس کر دی جائے لیکن انشورنس میں تو معاملہ ہی انوکھا ہے۔ بیمہ دار کو پہلے ہی یہ بتا دیا جاتا ہے کہ اگر وہ بیمہ پالیسی کی تمام رقم ادا کرنے سے قبل ہی اللہ کریم کو پیارے ہو گئے تو ان کے ورثار کو اتنی رقم ملے گی اور اگر بیمہ کی پالیسی کی تمام مالیات کی ادائیگی کے بعد تک زندہ رہے تو اس قدر رقم ملے گی اس کا بیع بالوفا سے قیاس کرنا بالکل غلط ہے۔ انشورنس کے اس طرح کے معاہدہ کی بنیاد ہی قمار پر ہے جبکہ بیع بالوفا میں جوا (قمار) کی صورت نہیں ہوتی۔

۵:۴ انشورنس اور عقد موالاۃ

عقد موالاۃ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ جب ایک مجہول النسب شخص دوسرے شخص سے اس قسم کا معاہدہ کرے کہ جنایت کی صورت میں ہر ایک دوسرے کی دیت (خون بہا) ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ اسی طرح وفات کی صورت میں ہر ایک دوسرے کی میراث کا حقدار ہوگا۔ شریعت اسلامیہ میں اس قسم کا عقد قابل تعریف ہے یہ تعاون علی البر والتقویٰ کا عمدہ نمونہ ہے۔ اس قسم کے معاہدہ کی رو سے ایک شخص دوسرے ایسے شخص کا ذمہ دار اور وارث بنتا ہے جس کا دنیا میں کوئی وارث نہ ہو مگر شریعت اسلامیہ میں ایسا عقد (معاہدہ) بغیر کسی مالی معاوضہ کے صرف تعاون علی الخیر کے جذبہ سے کیا جاتا ہے جبکہ انشورنس کمپنی اس قسم کی ذمہ داری بغیر مالی معاوضہ کے نہیں کرتی اور انشورنس کمپنی کا نظام وہ تمام

فاسد شرائط اپنے اندر لیے ہوئے ہوتا ہے جس کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اور وہ فاسد شرائط انشورنس کے اس معاہدہ کو ربوا اور قمار کے ناپاک عناصر سے گندہ کر دیتی ہیں اور یوں تعاون علی الخیر کا عقد تعاون علی الربا و القمار و الظلم بن جاتا ہے۔

۴:۶ انشورنس اور اصول "الضرر یزال"

انشورنس کے بعض وکلاء ایک نہایت بودی دلیل یہ بھی لاتے ہیں کہ انشورنس شریعت اسلامیہ کے ایک بنیادی اصول "الضرر یزال" (نقصان کی تلافی کی جاتی ہے) کو پورا کرتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے بیمہ دار کو پہنچنے والے نقصان کی تلافی بیمہ کمپنی کرتی ہے۔ اس دلیل کے جواب میں ہم یہ گذارشات پیش کریں گے۔

۱۔ "الضرر یزال" کا اصول یہی ہے کہ جو نقصان کرے وہی اس کی تلافی کرے کیونکہ قرآنی اصول "لا تزر وازرۃ وزر اخری" (کوئی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی) ہے مگر موجودہ نظام انشورنس میں ایک کا نقصان پوری قوم پر ڈالا جاتا ہے ایک چالاک بیمہ دار جو بد قسمتی سے بہت بڑا سرمایہ دار اور کارخانہ دار بھی ہوتا ہے جب اپنے کاروبار کو مندے کی طرف جھکتے دیکھتا ہے تو کارخانہ کو آگ دکھا کر پوری قوم سے اس کی دوگنی مالیت بذریعہ انشورنس کمپنی وصول کر لیتا ہے۔ کیا شریعت کے اصول "الضرر یزال" کی روح یہی تقاضہ کرتی ہے۔؟

غرض یہاں ہم نے نہایت اختصار سے بیان کیا ہے کہ موجودہ نظام انشورنس میں کیونکر اور کیا کیا تبدیلیاں کی جائیں کہ یہ کاروبار اسلامی بن جائے میں سمجھتا ہوں کہ اس عنوان کے تحت بہت زیادہ لکھنے کی ضرورت تھی مگر یہاں اس سے اتنا ہی تعرض کیا گیا جتنے کا تعلق ہمارے موضوع سے تھا لیکن یہ کام کسی ایک فرد یا ادارے کا تعرض نہیں بلکہ اس کی اصلاح کی قومی سطح پر ضرورت ہے۔ راسخ العقیدہ علماء اور جدید تعلیم یافتہ

حضرات جو صاحب الرائے اور دین کا درد رکھنے والے ہیں، اس کاروبار کو جوا اور سود سے پاک کرنے کے لئے تجاویز مرتب کریں۔

اسلامی حکومت اس کام کی اصلاح کا بیڑہ اٹھائے اور کاروبار اسلامی خطوط پر استوار کرنے کا پختہ عزم کرے تو کوئی اَن ہونی بات نہیں کہ یہ حرام کا کاروبار طیّب بن جائے آخر آج کا سودی کاروبار ۴ یا ۵ سال میں ایسا سائنٹیفک طریقہ پر چلنے کے قابل ہو گیا تھا؟ نہیں بلکہ اس نے مدتوں اپنا سفر جاری رکھا، تب اس منزل پر پہنچا۔ علماء کرام کی فقیہانہ بصیرت اور مسلمان ماہرین معاشیات کی مخلصانہ کوشش کے لیئے یہ کوئی مشکل مسئلہ نہیں۔ ہم یہ بات وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر انشورنس کا کاروبار اسلامی خطوط پر استوار کر لیا جائے تو انشورنس کمپنی اور بیمہ داروں کو کہیں زیادہ نفع دنیوی اعتبار سے بھی ہو گا۔ اور حلال اور طیّب کھانے کے بعد ان میں اللہ کریم کا بندہ بننے کا ذوق بھی پیدا ہو گا۔

باب ۳

اسلام کا نظام کفالت عامہ

مقصد و منہاج

اب تک ہم نے موجودہ مغربی نظام انشورنس کا جائزہ لیا ہے اور شریعت اسلامیہ کی روشنی میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ نظام غیر شرعی ہے جو اپنی ظالمانہ شرائط اور مفاسد کی وجہ سے قابل قبول نہیں۔ البتہ اس کے اصول و مقاصد میں ترمیم از روئے شریعت اسلامیہ کی جا سکتی ہے ہم نے اشارتاً اس کی ترمیم یا اصلاح کا ذکر بھی کر دیا ہے۔ یہ تمام باتیں مغرب کے سرمایہ دارانہ نظام انشورنس کے تعارف کے طور پر تھیں۔ جس سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہو گا کہ یہ نظام انشورنس سماجی اور معاشی تحفظ کا ضامن نہیں بن سکتا کیونکہ اس کا دائرہ کار انتہائی محدود ہے۔ اگر کچھ ہے تو صرف انہی حضرات کے لئے جو اس کے بیمہ دار ہوتے ہیں جو عموماً سرمایہ دار ہوتے ہیں یا متوسط طبقہ کے لوگ۔ اس نظام میں ایسے شخص کے لئے جو معاشی دوڑ میں پیچھے رہ گیا ہے ساتھ ملانے کا اور نہ گرے پڑے کو اٹھا کر ساتھ چلانے کا پروگرام ہے نہ اس میں ان یتیم بچوں کے لئے دست شفقت ہے جن کا غریب مرحوم باپ بیمہ دار نہ تھا اس نظام میں اس بیوہ کے لئے نان شبینہ تک کا انتظام نہیں جس کا مزدور خاوند انشورنس کمپنی میں اپنا یا اس بیوہ کا بیمہ نہ کرا سکا۔ اس میں ان عام غرباء کی بھوک مٹانے اور کپڑا پہنانے کا کوئی سامان نہیں جو اپنی غربت کی وجہ

سے بیمہ پالیسی خرید نہیں سکتے۔ تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نظام انشورنس جس پر آج مغرب فخر کر رہا ہے اور غرباء کو اپنا محسن ہونا بتا رہا ہے، جس کے پر فریب اور پرکشش اشتہارات فکر و فردا کرنے اور محو غم دوش نہ رہنے کا درس دے رہے ہیں دراصل مذموم سرمایہ کاری کی کوکھ سے جنم لینے والا ایک نیا نظام استحصال، ایک جدید حیلہ اکتناز دولت اور سودی کاروبار کو فروغ دینے کی ایک نئی چال ہے جس کا مقصد امیر کے لئے سب کچھ مگر بے نوا غریب کے لئے کچھ بھی نہیں ہے۔

آیئے ہم اس غیر اسلامی انشورنس کے بعد آپ کو اسلام کے نظام کفالت عامہ سے متعارف کراتے ہیں جس کا مقصد اسلامی ریاست کے صاحب ثروت وصولت سے کچھ جائز طریقے سے لے کر اور غرباء اور معذورین سے کچھ بھی نہ لے کر ریاست کے تمام شہریوں بلا تمیز مسلم و کافر۔ کی تمام سماجی و معاشی حاجات کی کفالت، غیر متوقع حادثات کا تحفظ اور نقصانات کی تلافی کی ضمانت دینا ہے یہ انشورنس اس معاشی نظام کا مرتب کردہ ہے جس کا مقصد معاشی کفالت کے ساتھ ساتھ امن و سلامتی کی ضمانت دینا ہے۔ اس نظام انشورنس میں بیمہ دار بننے کے لئے مقررہ رقم دینے کی ضرورت نہیں۔ صرف اسلام کو بحیثیت مکمل ضابطہ حیات تسلیم کرنا، امراء کا جائز شرعی ٹیکسوں (زکواۃ، صدقات واجبہ۔ عشر وغیرہ بصورت اقساط)، کا ادا کرنا اور پوری زندگی اسلام کا بندہ بن کر رہنا ہے بصورت ذمی اسلامی ریاست کا وفادار شہری اور معمولی جزیہ کی ادائیگی اور بس۔

اسلام جس قسم کا نظام انشورنس پیش کرتا ہے۔ اس میں اولیت اس بات کو دی گئی ہے کہ اسلامی ریاست کا کوئی شخص بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے۔ اسلام کا نظام انشورنس امیر کو ترغیب و ترہیب دونوں طریقوں سے یہ درس دیتا ہے کہ غریب اور محروم المعیشت تک اس کی ضروریات زندگی پہنچائے۔ اسلام ایسے شخص کو صحیح مسلمان ہی نہیں سمجھتا جو مفلس کی حاجت روائی نہ کرے۔

أَرَءَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالدِّينِ ○ فَذَٰلِكَ الَّذِي يَدُعُّ الْيَتِيمَ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ○ [1]

ترجمہ:- "کیا تونے اس شخص کو دیکھا جو جزا و سزا کا منکر ہے؟ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا"

اس آیت میں غریب کو خود کھانا کھلانے سے انکار تو کجا اگر کوئی فرد کسی دوسرے متمول شخص کو کسی غریب بھوکے شخص کو کھانا کھلانے کی تلقین نہیں کرتا تب بھی وہ دیندار نہیں۔ ایک دوسری جگہ نہایت ہی تہدید آمیز لہجہ میں فرمایا:

خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ○ ثُمَّ الْجَحِيمَ صَلُّوهُ ○ ثُمَّ فِي سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ○ إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ○ وَلَا يَحُضُّ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ○ [2]

ترجمہ:- اسے پکڑو اور اس کے گلے میں طوق ڈالو۔ پھر اسے جہنم میں داخل کرو پھر اسے ستر گز لمبی زنجیروں میں جکڑ دو۔ یقیناً یہ وہی ہے جو خدائے عظیم و جلیل پر ایمان نہیں لایا تھا۔ اور نہ ہی محتاجوں کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔

ایک اور جگہ مومنین کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا [3]

ترجمہ: "اور وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں (اپنا) کھانا مسکین، یتیم اور قیدی کو کھلاتے ہیں"

حدیث شریف میں آتا ہے:

---

[1] الماعون ۱ تا ۳   [2] الحاقہ ۳۰ تا ۳۴   [3] الدھر ۸

ایما اهل عرصة اصبح فیهم امرئٌ جائعاً فقد
برئت منهم ذمة اللّٰه تبارك وتعالٰی [۴]

ترجمہ:- "کسی بستی میں کوئی شخص صبح اس حال میں اٹھے کہ وہ رات بھر بھوکا رہا ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر اس بستی کی بقا و تحفظ کی کوئی ذمہ داری نہیں رہ جاتی۔"

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه
علیه وسلم من کان معه فضل ظهر فلیعد به علی من
لا ظهر له ومن کان له فضل من زاد فلیعد به علی
من لا زاد له، قال فذکر من اصناف المال ما ذکر
حتی رئینا انه لاحق لاحد منا فی فضل [۵]

ترجمہ:- "حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کے پاس زائد سواری ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس سواری نہ ہو اور جس کے پاس ضرورت سے زیادہ زاد راہ ہو وہ اسے دے دے جس کے پاس زاد راہ نہیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح مختلف انواع کے مال کا ذکر فرماتے رہے حتیٰ کہ ہم نے خیال کیا کہ ہم میں سے کسی کو اپنے فاضل مال پر حق نہیں۔"

من کان عنده طعام اثنین فلیذهب بثالث فان اربع

---

[۴] مسند امام احمد بن حنبل۔ نشر کردہ احمد محمد شاکر حدیث نمبر ۴۸۸۰
[۵] مسلم، ابوداؤد۔ نقلہ ابن حزم "المحلّی"، ج ۶، قاہرہ، ۱۳۴۷ھ ص ۱۵۷، ۱۵۸۔

فخامس او سادس۔ ۶

ترجمہ:۔ جس کے پاس دو آدمیوں کا کھانا ہو وہ تیسرے آدمی کو مہمان بنا کر شامل کرے اور اگر چار کا ہو تو پانچویں یا چھٹے کو۔

دراصل اسلام نے جو تصور وحدت امت کا دیا ہے اس نے دوئی کے تمام پردے چاک کر دیئے ہیں اور منافرت کی تمام دیواریں ڈھادی ہیں۔ امت اسلامیہ جسد واحد کی طرح ہے۔ یہاں سے وہاں تک ایک ہی احساس کام کرتا ہے اگر اس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو دیگر تمام اعضاء اس کی ٹیس محسوس کرتے ہیں۔ امت اسلامیہ کی یہ تعبیر بڑی ہی دلکش اور موثر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

تری المومنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم کمثل الجسد۔ اذا اشتکی فیہ عضو تداعی لہ سائر الجسم بالسھر والحمی۔ ۷

ترجمہ:۔ تو مومنین کو ان کے آپس میں محبت و شفقت اور انس و مودت لطف و کرم میں ایک جسد کی مانند دیکھے گا جس کے ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو جسم کا ایک ایک عضو بیداری اور بخار میں اس کا شریک ہوتا ہے۔

اب فیصلہ آپ ہی کریں کیا مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام انشورنس اسلام کے نظام انشورنس کی خاکِ راہ کو بھی پا سکتا ہے؟ یہیں نہیں آگے چلیں۔

صح عن عبیدہ بن الجراح وثلث مائۃ من الصحابۃ ان زادھم فنی فامرھم ابوعبیدہ فاجمعوا ازوادھم فی

---

۶ متفق علیہ، ابن حزم، المحلی، ج ۶ ص ۱۵۷۔

۷ متفق علیہ۔ ولی الدین مشکوٰۃ المصابیح، جلد ۲، باب ۱۴، حدیث نمبر ۹۔

مزودین وجعل یقوتهم ایاها علی السواء[8]

ترجمہ: "حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تین سو صحابہ کرامؓ سے متعلق یہ روایت صحت کو پہنچ چکی ہے کہ (ایک موقع پر) ان کا سامان خورد و نوش ختم ہونے کے قریب آ لگا تو حضرت ابوعبیدہؓ کے حکم دیا کہ جس جس کے پاس جس قدر ہے وہ حاضر کرے اور پھر سب کو یکجا کیا اور ان سب میں برابر تقسیم کر کے سب کو قوت لا یموت کا سامان مہیا کر دیا۔"

عن محمد بن علی انہ سمع علیؓ بن ابی طالب یقول۔ ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اقواتهم بقدر ما یکفی فقراءهم۔ فان جاعوا او عروا وجهدوا فبمنع الاغنیاء وحق علی اللہ تعالیٰ ان یحاسبهم یوم القیامة ویعذبهم علیه۔[9]

ترجمہ: محمد بن علی کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل دولت کے اموال پر ان کے غریبوں کی معاشی حاجت کو بدرجہ کفالت پوری کرنا فرض کر دیا ہے۔ پس اگر وہ بھوکے ننگے ہوں یا معاشی مصائب میں مبتلا ہوں گے تو یہ محض اس لئے ہو گا کہ اہل ثروت ان کا حق ادا نہیں کرتے اس لئے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سے بازپرس

---

[8] محلی۔ جلد ۶ ص ۱۵۸۔

[9] ایضاً

کرے گا اور ان کی کوتاہی پر ان کو عذاب دے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعری قبیلہ والوں کی اس وجہ سے تعریف کی کہ جب کبھی سفر حضر میں ان کے ہاں غلہ کی کمی ہو جاتی تو وہ اپنا غلہ ایک کپڑے میں جمع کر دیتے اور پھر برابر تقسیم کر لیتے چنانچہ وہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان میں سے ہوں [۱۰]

اس بات پر صحابہ کا اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص بھوکا ننگا یا ضروریات رہائش سے محروم ہے تو مالدار کے خاص مال میں سے اس کی کفالت کرنا فرض ہے۔ [۱۱]

"مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی اس پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تمام آئمہ مجتہدین کا بھی یہی مسلک ہے"۔ [۱۲]

یہ اور اس قسم کی دوسری آیات قرآنی ۔ احادیث نبوی اور آثار صحابہ کرامؓ کو سامنے رکھ کر مغرب (اندلس) کے مشہور محدث و فقیہہ ابو محمد ابن حزم ظاہری نے کہ جن کو بعض علماء نے قرن خامس کا مجدد کہا ہے ۔ یہ مسئلہ تحریر فرماتے ہیں:.....

اور ہر ایک بستی کے ارباب دولت کا فرض ہے کہ وہ فقراء اور غرباء کی معاشی زندگی کے کفیل ہوں اور اگر مال فی بیت المال کی آمدنی ان غرباء کی معاشی کفالت پوری نہ ہوتی ہو تو سلطان (امیر) ان ارباب دولت کو ان کی کفالت کے لئے مجبور کر سکتا ہے یعنی ان کے فاضل مال سے بالجبر لے کر فقراء کی ضروریات میں صرف کر سکتا ہے اور ان کی زندگی کے اسباب کے لئے کم از کم

---

[۱۰] بخاری و مسلم بحوالہ المحلی ، ج ۶ ، ص ۱۵۸ ۔

[۱۱] علامہ ابن حزمؒ ، المحلی ، ج ۶ ، ص ۱۵۸ ۔

[۱۲] مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ ، اسلام کا اقتصادی نظام ، ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۹ ، ص ۔ ۴۶ ۔

یہ انتظام ضروری ہے کہ ان کی ضروری حاجت کے مطابق روٹی
مہیا ہو۔ پہننے کے لئے گرمی اور سردی دونوں موسموں کے لحاظ سے
لباس فراہم ہو اور رہنے کے لئے ایک ایسا مقام ہو جو ان کو بارش
گرمی، دھوپ اور سیلاب جیسے امور سے محفوظ رکھے"۔ [۱۳]

حضرت ابن حزم تو یہاں تک تحریر فرماتے ہیں :۔

"میں کہتا ہوں کہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر ایک شخص کے پاس اپنی حاجات اصیلہ سے زائد خورد و نوش کا سامان موجود ہے اور دوسرا شخص بھوک سے اس قدر مضطرب ہے کہ موت طاری ہو جانے کا اندیشہ ہے تو اس مضطر کو مردار یا خنزیر کھانا جائز نہیں بلکہ اس کا حق ہے کہ زبردستی اس پر قبضہ کر کے بقدر حاجت استعمال کرے خواہ وہ مال مسلمان کا ہو یا ذمی کا یا غیر مسلم معاہدہ کا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ صاحب طعام پر یہ فرض ہے کہ وہ بھوکے کو کھانا کھلائے لہٰذا اس صورت میں اس حاجت مند کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ خنزیر یا مردار کھانے پر مضطر ہو چکا ہے۔

"بہر حال حاجت مند کے لئے درست ہے کہ وہ اس مالدار سے لڑ کر زبردستی ضرورت کی مقدار پر قبضہ کرے۔ پس اگر اس نے قبضہ کر لیا اور اس صورت میں لڑائی ہوا اور سرمایہ دار نے محتاج کو قتل کر دیا۔ تو سرمایہ دار مارنے والے پر قصاص آئے گا اور اگر سرمایہ دار اس آویزش میں مارا گیا تو "الی لعنۃ اللہ" اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کو پہنچا۔ اس لئے کہ اس نے اس کے حق کو ادا کرنے سے انکار کیا۔ جو اس کے ذمہ فرض تھا۔ [۱۴]

---

[۱۳] ابن حزمؒ، المحلی، ج ۶، ص ۱۵۶

[۱۴] ایضاً

ابن حزمؒ کی اس رائے کو گو جمہور فقہا نے قابل عمل نہیں سمجھا کیونکہ وہ فقہا اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری قرار دیتے ہیں کہ وہ اس طرح معاشی انصاف مہیا کریں کہ تمام شہریوں کی بنیادی ضروریات زندگی بسہولت پوری ہوتی رہیں اور غربار کو اپنے معاشی حقوق کے لئے اس قسم کے اقدامات کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ البتہ ابن حزمؒ کی اس رائے سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ فقہائے اسلام غربار کی کفالت کو کتنی اہمیت دیتے ہیں اور اس کے لئے کیسے اقدامات کی اجازت دیتے ہیں۔

الغرض اس طرح اسلام تعاون و تکافل کا وہ اعلیٰ ترین معیار قائم کرنا چاہتا ہے جس تک آج مذموم سرمایہ دار اور لادین اشتراکی ذہن رکھنے والے کا تخیل پرواز ہی نہیں کر سکتا۔ اسلام سماجی اور معاشی انشورنس کے لئے اجتماعی کفالت عامہ کا جو تصور پیش کرتا ہے اسے وعظ اور تلقین ہی تک نہیں چھوڑا، نہ اسے صرف انفرادی اور اجتماعی وجدان کے رحم کرنا کے سپرد کیا ہے بلکہ اسلامی خلیفہ کو ذمہ دار بنایا ہے کہ وہ اس نظام کو عملی جامہ پہنانے اور ہر اس رکاوٹ کو جڑ سے کاٹ دے جو اس نظام کے راستہ کا پتھر بنتی ہے۔ اسلامی ریاست کی کفالت عامہ کی ذمہ داریوں پر ہم آئندہ چل کر بحث کریں گے۔ انشاءاللہ۔

اسلام کا نظام کفالت عامہ کا دائرہ کار

ہم نے اسلام کے اس نظام خیر و رفائیت کے دائرہ کار جائزہ مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت لیا ہے۔

۱ کن افراد کی کفالت کی جائے گی؟

۲ کن ضروریات کے لئے کفالت کی جائے گی؟

۳ کفالت کی حد کیا ہو گی؟

کن افراد کی کفالت کی جائے گی؟

کیا اسلام کا نظام کفالت عامہ صرف اسلام کے لئے ہوگا یا دیگر غیر مسلم افراد کیلئے جو ایک اسلامی ریاست کے وفادار شہری ہیں؟۔ اسلامی تعلیمات کا شناسا اس سوال کا یہ جواب دے گا کہ اسلام کا نظام کفالت عامہ اسلامی ریاست کے تمام شہریوں کیلئے بلاتمیز مذہب ونسل ہوگا، شرط صرف اسلامی ریاست کا وفادار شہری بن کر رہنا ہوگا۔ غرباء کی کفالت کے لئے قرآن مجید میں جو ہدایات آئی ہیں۔ ان میں مسلم وکافر کی تمیز نہیں ہے مثلاً مندرجہ ذیل نظائر ملاحظہ کریں۔

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّیَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا

ترجمہ: وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کھانا کھلاتے ہیں۔[1]

اس آیت میں مذکورہ یتیم، مسکین اور قیدی سے مراد مسلم اور غیر مسلم دونوں ہیں کیوں کہ قرآن مجید میں یہاں کسی قسم کی تفریق نہیں بیان کی گئی۔ قرآن مجید نے اس سلسلہ میں نہایت واضح الفاظ میں ایک ضابطہ بیان کیا ہے جس کی رو سے ہر اس غریب کافر کی کفالت کی جا سکتی ہے جو مسلمانوں سے برسرپیکار نہ ہو اور اسلامی ریاست کا شہری ہو یا مسلمانوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھتا ہو۔

ارشاد ہے:۔

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ

---

[1] الدھر۔ ۸

الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ [۲]

ترجمہ:۔ اللہ تم کو منع نہیں کرتا ان سے جو لڑے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان سے کرو بھلائی اور انصاف کا سلوک، بیشک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے انصاف والوں کو۔ اللہ تعالیٰ تو منع کرتا ہے تم کو ان سے جو لڑے تم سے دین پر اور نکالا تم کو گھروں سے اور شریک ہوئے تمہارے نکالنے میں کہ کرو ان سے دوستی اور جو کوئی ان سے دوستی کرے سو وہ لوگ وہی ہیں گنہگار۔

فقہ اسلامی میں یہ تصریح بھی ہے کہ صدقات واجبہ (مثلاً زکوٰۃ، عشر) کے علاوہ بیت المال کے محاصل کا تعلق جس طرح قلمرو اسلامی کی مسلمان رعایا کی ضروریات زندگی سے وابستہ ہے اسی طرح غیر مسلم (ذمی) کی حاجات و ضروریات سے بھی متعلق ہے۔[۳]

چنانچہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فقراء اور مساکین میں غیر مسلموں (ذمیوں) کو بھی شامل کر لیا تھا۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے قانونِ فقہ میں اس قول کو سند ٹھہرایا ہے۔[۴]

امام اعظمؒ اور امام محمدؒ نے تو تصریح کر دی ہے کہ زکوٰۃ اور عشر کے علاوہ تمام صدقات غیر واجبہ و نافلہ وغیرہ ذمی فقراء کو دیئے جا سکتے ہیں اور حربی مستامن کی مدد بھی صدقات نافلہ سے کی جا سکتی ہے۔[۳]

---

[۲] الممتحنہ ۸-۹۔

[۳] ابن العابدینؒ، شامی، ج ۲، باب المصرف، مطبع میمنیہ، قاہرہ ۱۳۱۸ھ۔ ص ۹۶۔

[۴] امام ابو یوسف، کتاب الخراج، مطبوعہ سلفیہ قاہرہ ۱۳۴۶ھ ص ۱۲۶۔

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مکان پر تشریف لے گئے کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھا نابینا بھیک مانگ رہا ہے۔ دریافت کرنے پر پتہ چلا کہ یہودی ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے دریافت کیا کہ "تجھے کس چیز نے بھیک مانگنے پر مجبور کیا؟" اس نے جواب دیا: جزیہ کی ادائیگی، معاشی ضروریات اور پیرانہ سالی نے۔ یہ سن کر آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اپنے مکان پر لے گئے جو موجود تھا وہ دیا اور پھر بیت المال کے خزانچی کے پاس فرمان بھیجا۔

انظر هٰذا وضربائه فواللّٰه ما انصفناه أن اكلنا شيبة ثم نخذله عند الهرم. إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالفقراء هم المسلمون وهذا من اهل الكتاب ووضع عنه الجزية وعن ضربائه [۵]

ترجمہ:۔ یہ اور اس قسم کے دوسرے حاجت مندوں کی تفتیش کرو اللہ کریم کی قسم! ہم ہرگز انصاف پسند نہیں ہو سکتے اگر ان (ذمیوں) کی جوانی کی محنت (جزیہ) تو کھائیں اور ان کی پیرانہ سالی میں انہیں بھیک مانگنے کے لئے چھوڑ دیں۔ قرآن عزیز میں ہے:۔ "إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ" اور میرے نزدیک یہاں فقراء سے مراد مسلمان مفلس ہیں اور مساکین سے مراد اہل کتاب کے مساکین و فقراء ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے لوگوں کا جزیہ معاف کر دیا اور بیت المال سے ان کا وظیفہ شروع کر دیا۔

---

[۵] ایضاً۔ ص ۱۲۶۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حیرہ کو فتح کیا تو اہل حیرہ کو جو معاہدہ لکھ کر دیا وہ کفالت عامہ میں مسلم اور غیر مسلم کی مساوات کی ایک دستاویز ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

وجعلت لھم ایما شیخ ضعف عن العمل او اصابتہ آفة من الآفات او کان غنیاً فافتقر وصاروا اھل دینہ یتصدقون علیہ، طرحت جزیتہ وعیل من بیت مال المسلمین وعیالہ ما اقام بدار ھجرة دارالاسلام۔[٦]

ترجمہ: "اور میں یہ طے کرتا ہوں کہ اگر ذمیوں میں سے کوئی ضعیف پیری کی وجہ سے ناکارہ ہو جائے یا آفات سماوی وارضی سے کسی آفت میں مبتلا ہو جائے یا ان میں سے کوئی مالدار محتاج ہو جائے اور اس کے اہل مذہب اس کو خیرات دینے لگیں تو ایسے تمام اشخاص کو جزیہ معاف ہے اور بیت المال ان کی اور ان کے اہل وعیال کی معاشی کفالت کا ذمہ دار ہے جب تک کہ وہ دارالاسلام میں مقیم ہیں۔"

یہ اور اس قسم کے دیگر نظائر سے یہ بات پایۂ ثبوت تک پہنچتی ہے کہ اسلام کا نظام کفالت عامہ بلا تمیز مسلم و کافر ہے یہ ایسا دریا ہے جس سے دوست دشمن دونوں پیاس بجھا سکتے ہیں اور ایسی ٹھنڈی چھاؤں ہے۔ جس سے تمتع کا حق سب کو ہے وہ اپنا ہو یا بیگانہ۔

۲ کفالت عامہ کن ضروریات کیلئے کی جائے گی؟

اسلام کا نظام کفالت عامہ کا پہلے پہل انسان کی بنیادی ضروریات کو اسلام کے

---

[٦] ایضاً ص ۱۴۴۔

اصول سادگی کے مطابق پورا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ بنیادی ضروریات میں خوراک، لباس، رہائش اور ضروری طبی امداد ہےA۔ پھر جوں جوں اس کے وسائل بڑھتے جاتے ہیں اس کی توجہ ثانوی ضروریات زندگی کی طرف مبذول ہوتی ہے۔ یہاں ہم چند ثانوی ضروریات زندگی کا ذکر

A فقہا اسلام نے بنیادی ضروریات زندگی کی تفصیلات اپنی کتب فقہ میں درج کر دی ہیں وہاں دیکھی جا سکتی ہیں یہاں ہم مختار الکونین کے مصنف کا ایک قول نقل کرتے ہیں، جو ہمارے موضوع کے اعتبار سے بڑا اہم ہے۔ لکھتے ہیں۔

فیجب علی الامام ان یقصد بتیسیر الاشیاء الثلاثہ بکل من الناس علی حسب استعدادہ ومالہ سواء کان غنیا او فقیرا اوذکرا او اُنثی، اولہا: الطعام والشراب وھو سبب بحیاتہ فلا یمکن حیاتہ الابہا۔ والثانی: اللباس، سواء کان من القطن والکتان والصوف اوغیرھا، والثالث التزویج لانہا سبب بقاء النسل۔

ترجمہ: امام (اسلامی حکومت کے سربراہ) کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر فرد خواہ وہ امیر ہو یا فقیر، مرد ہو یا عورت اس کی استعداد اور حالات کے مطابق ان تین بنیادی ضروریات کے حصول کیلئے ہر قسم کی سہولیات بہم پہنچائے، وہ تین چیزیں یہ ہیں؛

۱ کھانے پینے کی سہولت کیونکہ ہر فرد کی زندگی کا ذریعہ ہے اور اس کے بغیر زندگی کا تصور ہی نہیں۔
۲ لباس کی ضرورت خواہ وہ روئی کا ہو یا کتان (قیمتی کپڑا) یا اون کا ہو۔
۳ ازدواجی زندگی کی سہولت کیونکہ یہ انسانی نسل کی بقاء کے لئے ضروری

بالاختصار کرتے ہیں۔

۱۔ **تعلیم**: ثانوی ضروریات میں سے اسلام جس ضروریات کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے وہ تعلیم ہے اور وہی اسلامی ریاست کو اس امر کی تلقین کرتا ہے کہ اپنے شہریوں کی دینی اور دنیوی تعلیم کا مؤثر انتظام کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحیثیت اسلامی ریاست کے پہلے حکمران کے ریاست کی رعایا کی تعلیم کا کس قدر احساس تھا اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت

ہے (مولانا محمد حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام)، ندوۃ المصنفین، ۱۹۵۹ء
ص ۱۳۰، بحوالہ مختار الکونین، قلمی نسخہ، ص ۴۴)

اس قول میں بتیسیر الاشیاء ـــــ ان اشیاء کی فراہمی کی سہولت ـــ کا جملہ اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر رہا ہے کہ جو افراد خود اپنے دست بازو سے یا دماغی محنت سے اللہ کریم کے خزانوں سے رزق کمانے اور اپنی ضروریات زندگی کی سہولت کی اہلیت رکھتے ہیں ان کے کمانے کی راہ میں کوئی خارجی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیئے یعنی یہ نہ ہو کہ دولت اور وسائل دولت و رزق چند سرمایہ داروں کے قبضہ میں ہوں اور عام افراد ان کے محتاج بن کر اپنی ضروریات زندگی کی تکمیل کریں یا محروم المعیشت رہیں اور اگر وہ معذور ہیں تو ان کی کفالت اسلامی ریاست کے امیر کی ذمہ داری ہو گی اس کی چند تفصیلات باب ۶ میں آ رہی ہیں۔

بنیادی ضروریات زندگی کیا ہیں؟ ان کے بارے میں اسلامی اور سرمایہ دارانہ نظریہ کیا ہے؟۔ اس کے لئے میرا مقالہ "اسلام کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل" ملاحظہ کریں۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہود کی زبان عبرانی سیکھنے کی ترغیب دی[۸] ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اساری بدر میں پڑھے لکھے قیدیوں کو کہا کہ وہ اپنے چھٹکارا کیلئے فدیہ کے طور پر مدینہ منورہ کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں[۸]۔ آپ نے حضرت سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اہل مدینہ کو لکھنا پڑھنا سکھائیں[۹]۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مختلف دیہاتوں میں روانہ فرماتے جہاں وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیتے۔ ایک دفعہ آپ نے اپنے انصار صحابہؓ میں سے ستر کو عرب کے مختلف دیہاتوں میں اس غرض سے روانہ کیا۔ یہ محسن حضراتؓ دن کو لکڑیاں چنتے تاکہ اپنی ضروریات پوری کر سکیں اور رات کے وقت جب لوگ اپنے کاموں سے فارغ ہوتے تو انہیں تعلیم دیتے[۱۰]۔

ان روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ریاست میں تعلیم کا ایک جامع نظام قائم کرنا چاہتے تھے تاکہ تمام شہری زیور تعلیم سے آراستہ ہو سکیں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے اپنے زمانہ میں اس نظام تعلیم کو آگے بڑھانے کی کوشش کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانے میں اساتذہ کا تقرر کیا جو بچوں کو تعلیم دیتے تھے اور انہیں سرکاری خزانہ سے وظیفہ ملتا تھا۔[۱۱]

عن وضیف بن عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال۔ ثلاثہ کانوا

---

۸ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ، الجزء الثانی، بیروت، ۱۹۵۷ء ص ۲۲۲۔

۸ ابن عبدالبر، الاستیعاب، الجزء الاول، دائرہ المعارف حیدر آباد (ہند) ۱۳۱۸ھ، ص ۳۹۴

۹ محمد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، الجزء الثانی، بیروت ۱۹۵۷ء، ص ۲۲۲

۱۰ علی المتقی برہان الدین، کنز الاعمال، الجزء الثانی۔

۱۱ ایضاً۔

بالمدينة المنورة يعلمون الصبيان وكان عمر بن الخطاب رضی الله عنه يرزق كل واحد منهم خمسة عشر درهماً۔[۱۲]

ترجمہ: حضرت وضیف بن عطار رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تین ایسے اشخاص تھے جو بچوں کو تعلیم دیتے تھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان میں سے ہر ایک کو (بیت المال) سے پندرہ پندرہ درہم دیا کرتے تھے۔

انہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے تمام گورنروں کو ایک عام فرمان بھیجا تھا کہ آپ مختلف علاقوں سے قرآن مجید کے بہترین قراء کی فہرستیں مرتب کر کے بھیجیں تاکہ آپ انہیں بچوں کی تعلیم کے لئے مقرر کر سکیں[۱۳] اسی طرح حضرت عمر بن عبد العزیز نے مسلمان دیہاتیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے تنخواہ دار اساتذہ مقرر کیے[۱۴] اور آپؒ نے ایسے اشخاص کے لئے وظائف مقرر کیے جو اپنی تعلیمی مشغولیات کی وجہ سے روزی کمانے کے لئے وقت نہیں فارغ کر سکتے تھے[۱۵]

ب۔ قرضوں کی ادائیگی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لے کر عمر بن عبد العزیزؒ اور خلفاء عباسیہ

---

[۱۲] ایضاً

[۱۳] ابوعبید قاسم بن سلام، کتاب الاموال، قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۲۶۲۔

[۱۴] ایضاً، ص ۲۶۱۔

[۱۵] ایضاً ص ۲۶۱

میں سے چند ایک کے زمانے میں بیت المال میں سے ایسے مقروض لوگوں کے قرضے ادا کئے جاتے تھے جو کمانے کے قابل نہیں تھے یا بہت زیادہ تنگدست تھے۔[۱۶]

ج۔ شادی الاؤنس

ایسے نوجوان جو شادی کے قابل ہوتے تھے مگر اپنی غربت کے سبب ایسا کرنے سے قاصر تھے انہیں بیت المال سے معاونت ملتی تاکہ وہ شادی شدہ ہو کر پاکیزہ زندگی گذارنے کے قابل ہو سکیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنر حضرت زید بن عبدالرحمٰن بن عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لکھا کہ وہ ایسے غریب اشخاص کی مالی معاونت کریں جو غریب ہیں اور ازدواجی زندگی اختیار کئے ہیں۔[۱۷]

د۔ سراؤں کی تعمیر

مسافر ہمیشہ سے قابل رحم چلے آئے ہیں اور خاص طور پر وہ مسافر جو سفر خرچ کی کمی کی بدولت اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے یا تھک ہار کر اپنا سفر منقطع کر لیتے ہیں۔ اسلام کا نظام کفالت عامہ ایسے مسافروں کا سفر آرام دہ اور منزل مقصود کو یقینی بنانے کیلئے اسلامی ریاست کو حکم دیتا ہے کہ وہ سرائیں تعمیر کرائے تاکہ مسافرین وہاں بغیر کچھ خرچ کئے آرام کر سکیں اور ان کی مالی مدد کرے تاکہ وہ اپنا سفر اپنی منزل مقصود تک جاری رکھ سکیں۔

۱۶۔ ایضاً ص ۲۵۱

۱۷۔ ایضاً ص ۲۵۱

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایسے مسافروں کے لئے مکہ اور مدینہ منورہ کے درمیانی راستہ پر مسافر خانے تعمیر کروائے تھے [۱۸]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنروں کو حکم دیا کہ وہ سرائیں تعمیر کرائیں جس میں بچوں مسافروں کو خوراک اور رہائش کی سہولتیں حاصل ہوں۔ [۱۹]

ر۔ نومولود بچوں کے وظائف

خلفاء راشدین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عہد میں نومولود بچوں کو وظائف دیئے جاتے تھے تاکہ وہ اپنے والدین پر بوجھ نہ بنیں [۲۰] شروع میں اس وظیفہ کی مالیت ۱۰۰ درہم تھی جو بعد میں بڑھا کر زیادہ کر دی گئی۔ [۲۱]

س۔ خدمات کی سہولتیں

اسلامی ریاست اپنی غرض و غایت کے اعتبار سے اپنی رعایا کی خادم ہوتی ہے اور اس ریاست کا سربراہ رعایا کا خادم۔ اس سلسلہ میں حضرات خلفاء راشدین کا کردار مثالی رہا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیواؤں کی بکریاں خود دوھا کرتے تھے۔ جب آپ خلیفہ بنے تو کسی نے کہا "اب ہماری بکریاں کون دوہے گا؟" آپ نے فرمایا "انشاء اللہ بس ہی۔ اور مجھے اللہ سے امید ہے کہ خلافت کی ذمہ داریاں اس میں آڑے نہیں آئیں گی۔

---

[۱۸] بلاذری، فتوح البلدان، قاہرہ ۱۹۳۲ء ص ۵۳۔

[۱۹] ابن الاثیر، الکامل، الجزء السادس، مطبع احمد حلبی، قاہرہ، ۱۳۰۳ھ۔ ص ۲۲۔

[۲۰] ابوعبید، کتاب الاموال، قاہرہ، ۱۳۵۳ھ ص ۲۳۸۔ ([۲۱]) ایضاً، ص ۲۳۸۔

[۲۲] سید قطب، العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام (اردو ترجمہ) اسلامک پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۶۹ء، ص ۱۴۴۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک بڑھیا رہتی تھی۔ میرے دل میں آیا کہ اس کی خدمت کیا کروں۔ مگر میں جب کبھی جاتا تو اس کا گھر صاف ستھرا ہوتا اور تمام کام کاج کیا پڑا ہوتا۔ ایک دن میں نے گھات لگا کر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ابو بکرؓ ہیں کہ بڑھیا کا پانی والی بھر کر واپس آ رہے ہیں۔ میں نے کہا "میں آپ پہ قربان ہو جاؤں میرا خیال بھی یہی تھا کہ ہو نہ ہو یہ ابو بکر ہی ہوں گے جو اس لاوارث بیوہ کی خدمت کرتے ہیں"![۲۳]

۱۸ھ کا قحط کا سال جو اپنی شدت اور ہمہ گیری کے اعتبار سے عام الرمادہ (راکھ کا سال) کے نام سے تاریخ اسلامی میں مشہور ہے، آسمان نے بارش برسانا بند کر دی اور زمین نے اپنی روئیدگی روک دی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سخت ابتلاء سے دوچار تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قحط سالی کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے تیاریاں کیں جیسے بڑی بڑی جنگیں لڑی جاتی ہیں۔ تمام دیہاتوں سے لوگ مدینہ منورہ اکٹھے ہو گئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھانے تیار کراتے اور لوگوں کو کھلانے کی خود نگرانی کرتے اس غم اور فکر میں سب کچھ بھول گئے۔ جسم کی کھال خشک ہو گئی اور رنگ متغیر ہو گیا، نہ اپنے کھانے کا فکر نہ لباس کا خیال۔ صحابہؓ کہا کرتے تھے اگر اللہ کریم اپنے کرم سے عام الرمادہ ختم نہ کرتے تو عمرؓ اس غم میں ہلاک ہو جاتے۔ ایک دن لوگوں کو کھانا کھلا رہے تھے ایک صاحب کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھا رہے ہیں۔ کہا "اللہ کے بندے دائیں ہاتھ سے کھاؤ" انہوں نے کہا اللہ کے بندے دایاں ہاتھ مشغول ہے"! آپ آگے گزر گئے۔ جب لوٹ کر آئے تو پھر دیکھا کہ وہ صاحب بائیں ہاتھ سے کھا رہا ہے آپ نے کہا "اللہ کے بندے دائیں ہاتھ سے کھاؤ" انہوں نے جواب دیا "دایاں ہاتھ مشغول ہے" ایسا تین بار ہوا۔ آپ خلاف شریعت کا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ جھلا کر بولے اللہ کے بندے دائیں ہاتھ سے کھاؤ" دایاں ہاتھ کہاں مشغول ہے"؟ ان صاحب

---

[۲۳] امام محمد کتاب الآثار، فضائل الصحابہ، حدیث رقم ۸۵۲۔

نے کہا "عمر! وہ تو غزوہ موتہ میں اللہ تعالیٰ کے رستے میں کام آگیا" بس یہ سننا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلبلا کر روئے اور اس سے پوچھتے جاتے تھے۔ "تیرا سر کون دھوتا ہوگا؟ تیرے کپڑے کون دھوتا ہوگا؟ تجھے وضو کون کراتا ہوگا؟" پھر اسے ایک غلام خدمت کے لئے دیا اور جانور سواری کے لئے دیا۔ یہ صورت حال دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باآواز بلند حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعائیں کرنے لگے[۲۴] حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شام کے نابیناؤں اور دیگر معذورین کے خدام مقرر کئے جو ان کی ضروریات کی فکر کرتے اور انہیں آرام پہنچاتے[۲۵]

ان روایات اور آثار کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کا نظام کفالت عامہ انسانی زندگی کی تمام ضروریات کو شامل ہے۔

۴ کفالت کی حد کیا ہوگی؟

اسلام کا نظام پرورش اور تحفظ اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے ایک طور پر بہت زیادہ تنگ جب کہ دوسرے طور پر بہت زیادہ وسیع ہے، تنگ اس طور پر ہے کہ اس کے مطابق اسلامی معاشرہ، اور ریاست کی یہ ضروری ذمہ داری ہے کہ شہریوں کی بنیادی ضروریات زندگی مثلاً خوراک، لباس، رہائش ازدواجی زندگی اور ضروری طبی امداد انہیں مہیا ہوتی رہیں۔ اور اس سے گریز کسی معاشرہ میں حکومت کے لئے ممکن نہیں۔ اور وسیع ان معانی میں ہے کہ جوں جوں اسلامی ریاست کے وسائل بڑھتے جائیں اسی طرح کفالت عامہ کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے اور وہ انسانی آسائشات تک کو شامل کر لیتا ہے۔ اگر وسائل کی کمی کے وقت حکومت اپنے معذورین اور دوسرے مستحقین کی ضروریات سادگی سے پورا کر رہی تھی۔

---

۲۴ ابن جوزی، سیرت عمر بن خطابؓ مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ ۱۳۴۲ھ ص ۱۵۴، ۱۵۵۔

۲۵ ابن جوزی، سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ، مطبع المویدہ، قاہرہ ص ۱۵۴۔

تو وسائل کی وسعت کے ساتھ ان کی ضروریات کو معیاری انداز میں پوری کر سکتی ہے۔ یا پہلے صرف بنیادی ضروریات کی تکمیل کی جاتی تھی تو اب ثانوی ضروریات از قسم تعلیم، نقل وعمل، صحت وغیرہ پر توجہ دے گی یا اپنی رعایا کے مخلص اور معذورین کو اس قابل کر دے کہ وہ آئندہ کسی کے محتاج نہ رہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ارشاد اس ساری بحث کا خلاصہ پیش کرتا ہے۔ فرمایا کرتے تھے۔

"اما واللہ لئن بقیت لارامل اھل العراق لادعنھن لا یفتقرن الی امیر بعدی" [۲۶]

ترجمہ: خدا کی قسم! اگر میں اہل عراق کی بیواؤں کے لیے (اگلے سال تک) زندہ رہ سکا تو انہیں ایسا کر دوں گا کہ وہ میرے بعد کسی امیر کی اعانت کی محتاج نہ رہیں گی۔

[۲۶] ابو یوسف، کتاب الخراج، مطبع سلفیہ، قاہرہ ۱۳۴۶ھ، ص ۳۷۔

باب ۴

اسلام کے نظام کفالت عامہ کا تنظیمی ڈھانچہ

اب تک ہم نے "اسلام کے نظام کفالت عامہ کے مقصد و منہاج پر گفتگو کی ہے اس باب میں ہم اس بات کا جائزہ لیں گے کہ اسلامی نظام کفالت عامہ کے مقصد کے حصول کے لئے کون کون سے ادارے تشکیل دیتا ہے۔ آئیے ذرا اس سے قبل ہم موجودہ نظام انشورنس کے بیمہ دار کے مقاصد کا جائزہ لیتے چلیں جو اس وقت اس کے پیش نظر ہوتے ہیں جب وہ کسی جدید انشورنس کمپنی کی پالیسی خرید رہا ہوتا ہے۔

۱ اس کا مال محفوظ رہے اور اس میں اضافہ بھی ہو۔

۲ اس کے مستقبل کے خطرات کا تحفظ ہو اور نقصانات کی تلافی ہو۔ ؟

۳ پسماندگان کی مالی امداد ہو۔

۴ پیرانہ سالی میں اس کی کفالت ہو۔

اسلام ان مقاصد بلکہ ان سے بھی زیادہ کی تکمیل کے لئے اپنے نظام کفالت عامہ کے چند شعبے تشکیل دیتا ہے۔ جنہیں ہم دو حصوں میں تقسیم سکتے ہیں۔

۱ نجی شعبہ

۲ سرکاری شعبہ

۱ نجی شعبہ

اس شعبہ کو اسلامی معاشرہ تشکیل دیتا اور چلاتا ہے ۔ اس شعبہ کے چند اہم مظاہر مندرجہ ذیل ہیں جنہیں جدید اصطلاح میں بیمہ یونٹ کہا جا سکتا ہے ۔

(۱) خاندان (گھر) (۲) قبیلہ ۔ برادری ۔ بھائی چارگی (۳) وصی ، ولی (۴) امین

اب ہم ان اسلامی انشورنس کمپنیوں کی نوعیت ، ان کی کارکردگی اور طریقہ کار کا جائزہ لیتے ہیں ۔

۱ خاندان (گھر)

خاندان یا گھر پہلی انشورنس کمپنی اور اسلامی سماج کی پہلی اینٹ بھی ہے ۔ یہ محدود درجے کی جنرل انشورنس کمپنی ہے ۔ محدود ان معنی میں کہ اسے وہ وسائل میسر نہیں جو اسلامی حکومت (کی جنرل انشورنس کمپنی) کو ہوتے ہیں ۔ اور یہ جنرل ان معنوں میں ہے کہ گھر میں انسان کی ہمہ قسم کی ضروریات کی تکمیل، مستقبل کے خطرات کا تحفظ اور آمدہ نقصانات کی تلافی محدود پیمانے پر ہوتی رہتی ہے ۔

اس انشورنس کمپنی کے اراکین اولاد (جس میں نواسے ، پوتے تک شامل کئے جا سکتے ہیں) والدین ۔ خاوند اور بیوی ہوتے ہیں ۔ جو تمام آپس میں ایک دوسرے کی کفالت کے ذمہ دار ہوتے ہیں ۔

مثلاً والدین کے لئے اولاد کی ذمہ داری کا اعلان اسلام نے ان الفاظ میں کیا ہے ۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۔ ؎۱

ترجمہ : ۔ ہم نے انسان کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کی ، کہ اس کی

ماں نے اس کا بار (حمل) جانے کتنی راتیں اٹھائے رکھا؟ اور پھر دو سال میں اس کا دودھ چھڑایا کہ وہ میرا اور اپنے والدین کا شکر گزار بن کر رہے۔ [1]

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ [2]

ترجمہ: اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے تک پہنچیں تو انہیں اُف تک نہ کہنا اور نہ انہیں جھڑکنا بلکہ انہیں احترام سے جواب دینا اور ان کے لئے رحمت اور شفقت کی وجہ سے اپنے بازوؤں کو جھکا دینا اور دعا کرتے رہنا "کہ اے پروردگار ان پر رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے چھوٹا سا پالا تھا"

یہ دونوں آیات واضح طور پر والدین کے حقوق اور اولاد کے فرائض کا تعین کر دیتی ہیں لیکن والدین کے لئے اولاد کے بارے میں فرائض کے متعلق اتنی واضح آیات نہیں ہیں۔ جس کا فلسفہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ والدین کے دل میں اولاد کے لئے اتنی رحمت اور رافت ہوتی ہے کہ انہیں تلقین کی ضرورت ہی نہیں سمجھی گئی دوسرے اولاد پر والدین کی حقوق کے اعتبار سے برتری ثابت کرنے کو ایسا کیا گیا ہے۔ یہ سکھانا مطلوب ہے کہ والدین تمہارے حقوق ادا کریں نہ کریں تمہیں ان کی کفالت کرنا ہی پڑے گی۔

---

[1] لقمان - ۱۴۔

[2] بنی اسرائیل - ۲۳، ۲۴۔

قرآن مجید میں ایک دوسری آیت کریمہ جس میں اجمالاً اولاد کی کفالت کے لئے والدین کے فرائض اور میاں بیوی کے باہمی تکافل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ
أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ
بِالْمَعْرُوفِ۔ [۳]

ترجمہ: جب باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیئے تو مائیں پورے دو سال اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انہیں کھانا اور کپڑا دینا ہو گا۔

اس آیت میں بظاہر رضاعت بچوں کی ذمہ داری باپ پر ڈالی گئی ہے اور رضاعت اگر ماں کرے تو باپ اس کی کفالت کرے۔ مگر "اولادھن" (عورتیں اپنی اولاد کو) کا لطیف لفظ استعمال کر کے قرآن مجید نے ماں کو بھی بتا دیا ہے کہ اولاد تو تیری بھی ہے۔ لہٰذا اس کی کفالت کی ذمہ داری صرف باپ کی ہی نہیں تو بھی اس میں شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ بیوی اور خاوند کے ایک دوسرے پر فرائض کا فلسفہ بھی سمجھ میں آیا کہ خاوند بیوی کی اولاد کی کفالت کرے گا۔ جب خاوند اس کی ضروریات زندگی کا کفیل کرے گا گویا نظام خاندان میں کفالت در کفالت کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ جس میں ہر فرد لازماً دوسرے کی کفالت کرے گا۔ ورنہ وہ خود بھی بھوکا ننگا رہے گا۔ اس انشورنس کمپنی میں نہ غرر نہ خطر ہے نہ دھوکہ دہی، بظاہر آپ اقساط ادا نہیں کر رہے مگر پھر بھی آپ بیمہ دار ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہاں نہ تو بیمہ دار اقساط کی ادائگی بند کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی مجبوری سے اقساط رہ گئے پر اس کی رقم دبائی جا

---

[۳] البقرہ - ۲۳۳۔

سکتی ہے۔ یہاں تو مجبوری اور خوشی، فراخی اور تنگدستی دونوں صورتوں میں آپ خود بھی محفوظ ہیں اور حفاظت کی ضمانت دینے والے بھی۔ کیا ہی حکمت بالغہ ہے اسلام کے نظام زندگی دگھریلو زندگی) کی۔

کمیونزم نے سماج کی اس بنیادی اینٹ کو اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی۔ اور فلسفہ یہ پیش کیا کہ یہ انفرادی ملکیت کو ختم کرنے کی راہ میں پہلا روڑہ ہے۔ مگر بظاہر اسے منہ کی کھانا پڑی۔ آج کا روسی اور چینی سماج خاندانی سماج ہے۔ البتہ گھر کے تمام افراد کو کارخانوں اور دفتروں کے چکر میں جوت کر اس نے اس گہوارہ امن کو فیکٹری بنانے کی کوشش کی ہے۔ مغربی تہذیب نے بچوں کو نرسری میں داخل کر کے ان کی پرورش کا ایسا انتظام پیش کیا ہے جس میں والدین اگرچہ اپنا بوجھ تو نرسری کے کندھوں پر ڈال دیتے ہیں مگر اس کے صلہ میں ایک ایسی نسل تیار ہو رہی ہے جو نہ کاروبار زندگی میں والدین کی فرمانبردار ہے نہ بڑھاپے میں ان کی غم گسار۔ مگر اسلام نے اس فطری نظام کو برقرار رکھا جو انسان کے لئے ایک دفتر بھی ہے جہاں وہ ملازم کی طرح اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے۔ اور بیمہ کمپنی ہے جس نے اس کے مستقبل کے خطرات کا تحفظ اور نقصانات کی تلافی کی ذمہ داری لے رکھی ہے اور جائے امن بھی ہے جہاں وہ دنیا کے دھندوں سے چھوٹ کر آسائش پاتا ہے۔

قبیلہ برادری۔ بھائی چارگی

یہ زندگی اور جائداد کے بیمہ کا شعبہ ہے۔ لیکن ایک بات ضرور یاد رکھیے کہ یہاں موجودہ نظام لائف انشورنس کا طریق نہیں کہ آپ ۱۰ ہزار کا بیمہ کرائیں پھر آپ پہلے وفات پا جائیں یا بیمہ مکمل ہو جائے اور آپ زندہ ہی رہیں تو آپ کو وہ رقم سود کے ساتھ مل جائے۔ اگرچہ قبیلہ اور برادری آپ کی اس سے زیادہ بھی مدد کرے گی۔ آپ کے نقصانات کی تلافی کر سکتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ یہاں اس شرط پر زندگی کا حقیقی معنوں میں بیمہ کیا جاتا ہے کہ

نہ آپ کسی کا خون بہائیں گے نہ کوئی آپ کا۔ اور اگر ایسا غلط نخواستہ ہو جائے تو وہ خون رائیگاں نہیں جائے گا کیونکہ وہ بیمہ شدہ ہے لہذا اس کی دیت ادا کی جائے گی۔ جو قبیلہ۔ ولی اور برادری والے ادا کریں گے۔ گویا اسلام کا انشورنس آپ کو دہرا فائدہ دے گا۔ ایسے ہی آپ کی جائیداد کا تحفظ کیا جائے گا اور تلف ہونے کی صورت میں آپ دربدر کی ٹھوکریں نہیں کھائیں گے۔ اسلام کے اصولوں پر قائم قبیلہ اور برادری آپ کی ضروریات کا تکفل کرے گی۔

یہ شعبہ معاقل، تناصر اور باہمی تکافل کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔ معاقل "معقلہ" کی جمع ہے۔ جس کے معنی "خون بہا" کے ہیں۔ اس کا مادہ "عقل" ہے عقل کے معنی روکنے اور منع کرنے کے ہیں کیونکہ دیت کے کاروبار سے لوگوں کی جانیں مفت میں چلی جانے سے محفوظ ہو جاتی ہیں اس لئے خون بہا کو "عقل" کہتے ہیں اور "عاقلہ" اس جماعت کو کہتے ہیں جو قاتل کی طرف سے اجتماعی طور پر "خون بہا" ادا کرتی ہے اور مقتول کے بدلے کے طور پر قاتل کو قتل نہیں کیا جاتا لہذا جان بچ جاتی ہے گویا زندگی مامون و محفوظ ہو گئی۔

اس شعبہ کے اراکین قبائلی سسٹم کی بنیاد پر مقرر کئے جاتے ہیں اور پیشوں کی بنیاد پر بھی کہ (ایک پیشے والے ایک برادری ہے) اور محض بھائی چارے کی بنیاد پر بھی۔

قبیلہ میں تعاون تو ایک دوسرے سے واضح ہے، باقی دو کا ذکر سنیئے۔ ہجرت کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخاۃ (بھائی چارہ) قائم کرایا تو ایک دستاویز بھی تحریر فرمائی جس میں ان دونوں کو ایک ہی جماعت قرار دے کر نقصانات و حوادث کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈال دی۔

عن عبد اللہ ابن عباس کتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کتاباً بین المهاجرین والانصار ان یعقلوا معاقلهم وان
یفدوا عانیهم بالمعروف والاصلاح۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے لئے ایک دستاویز لکھوائی جس میں تحریر تھا کہ انصار اور مہاجرین ایک دوسرے کا خون بہا ادا کریں گے اور اگر کوئی قیدی ہو جائے تو اس کا فدیہ ادا کریں گے۔ قاعدہ قانون اور اصلاح باہمی کے طریق پر۔[۴]

قبائلی سسٹم میں قبیلہ ہی عاقلہ سمجھا جاتا ہے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں وظیفہ کے دیوان (رجسٹر) مرتب کئے گئے تو (اہل دیوان) یعنی ایک رجسٹر والے خواہ وہ پیشوں کی بنا پر اکٹھے کئے گئے ہوں یا ایک خاندان یا ولا اور ایک ہستی بستی کی وجہ سے، ہی عاقلہ کہلاتے تھے۔

پیشوں کی بنیاد پر بھی ایک پیشے والوں یعنی برادری کو عاقلہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ یہ تناصر کی بنا پر ہے۔

امام مرغینانیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

ولهذا قالوا كان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم اهل الحرفة۔[۵]

ترجمہ: اسی بنا پر اسلامی قانون والوں نے فرمایا ہے کہ اگر آج کل تناصر پیشوں کی بنا پر رائج ہونا ہو تو ایک پیشہ میں منسلک افراد (برادری) عاقلہ قرار دیئے جائیں گے۔

حضرت امام سرخسیؒ عاقلہ (قبیلہ برادری) پر خون بہا کی ذمہ داری ڈالنے کا فلسفہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔

---

[۴] امام زیلعی۔ نصب الرایہ۔ ج ۴ کتاب المعاقل۔

[۵] ہدایہ۔ کتاب المعاقل۔ ج ۴، ص ۶۱۲۔

قاتل جب فعل قتل کا ارتکاب کرتا ہے تو اس اقدام میں خارجی قوت وطاقت کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ قتل کی پاداش میں جب میں پکڑا جاؤں گا تو میرے حمایتی (قبیلہ یا برادری) میری مدد کو پہنچ جائیں گے۔ اب حمایت و نصرت کے اسباب ہوتے ہیں۔ کبھی یہ اہل دیوان کی یکجہتی پر مبنی ہوتی ہے، کبھی قبیلوں اور خاندان والوں کی بنیاد پر ہوتی ہے اور کبھی محلوں اور پیشوں کی بنیاد پر ہوتی ہے چونکہ قاتل ضرورت کے وقت انہی سے قوت حاصل کرتا ہے۔ اس لئے خون بہا بھی انہی پر لگایا جائے گا۔ تاکہ یہ لوگ اپنے میں سے ناسمجھ اور بیوقوف لوگوں کو اس قسم کی حرکتوں سے روکیں۔ خون بہا کا مال بھی کافی مقدار میں ہوتا ہے اس لئے سب پر ڈالنے سے وصولی میں آسانی ہو جاتی ہے ہر شخص ادا بھی اس خیال سے کر دیتا ہے کہ کل اگر خدانخواستہ مجھ سے بھی اس قسم کا فعل سرزد ہو گیا تو یہی لوگ میرا خون بہا بھی ادا کر دیں گے۔[۶]

اس طرح اگر کسی مقام پر کوئی مقتول پایا جائے اور قاتل کا پتہ نہ چل سکے تو وہاں کی آبادی ازروئے قانون (فقہ اسلام) اجتماعی طور پر اس کا خون بہا ادا کرنے کی ذمہ دار ہے[۷]

مندرجہ بالا کی روشنی میں "تخریج مسائل" کی قوت سے سہارا لے کر ایسا قانون بنایا جا سکتا ہے کہ مستقبل کے خطرات کا تحفظ اور نقصانات کی مکافات کے لئے ہر پیشہ کے اشخاص کو ایک عاقلہ (برادری۔ قبیلہ) قرار دیا جائے مثلاً اساتذہ کرام، ڈاکٹر، وکلا بس مالکان وغیرہ جیسے کہ یہ ہم پیشہ جماعتیں آج کل اپنے مطالبات منوانے کے لئے یونین بناتے ہیں۔ اسی طرح اپنے ایک بھائی کے نقصان کی تلافی بھی مل کر کریں۔ اور اسلامی حکومت ایسا قانون

---

[۶] امام سرخسیؒ، المبسوط، ج ۲۴، قاہرہ ص ۲۶، اردو ترجمہ مفتی ولی حسن۔

[۷] مولانا مفتی محمد شفیع و مفتی ولی حسن، بیمہ زندگی، دار الاشاعت کراچی ۱۹۷۲ء، ص ۹۴۔

بھی پاس کرسکتی ہے۔ اس طرح مستقبل کے نادیدہ خطرات کا تحفظ بھی ہو جائے اور تلافی نقصان بھی۔

کتنا اچھا بیمہ ہوگا کہ نہ رقم کی اقساط کی ادائیگی کا تردد اور نہ خطرہ کا دھڑکا۔

۳ وصی، ولی

اس شعبہ میں ذمہ داریوں کا بیمہ ہوتا ہے۔ سماج میں بہت سے ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جن کا کوئی بیٹا ہوتا ہے نہ ایسا رشتہ دار جو اس کی موت کے بعد اس کے کم سن بچوں کی تعلیم و تربیت، شادی بیاہ وغیرہ کا بیڑا اٹھاتے گا یا اس مرنے والے کی وارثت کو صحیح تقسیم کرسکے یا اس کی وصیت کو لاگو کرسکے۔ ایسے حالات میں ایک شخص کو اپنی کم سن اولاد اور دولت کے بارے میں تردد لاحق ہونا ایک فطری بات ہے۔ جس سے انبیاء کرامؑ بھی خالی نہیں تھے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا بھی بظاہر اس انسانی فطرت کی غماض نظر آتی ہے۔

قَالَ رَبِّ إِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۔ وَإِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَرَائِيْ وَكَانَتِ امْرَأَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۔ يَرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ؎ۃ

ترجمہ: اے پروردگار یقیناً میری ہڈیاں بوڑھی ہوگئیں اور میرے سر میں بڑھاپے کی سپیدی پھیل گئی اور آپ سے مانگ کر اے پروردگار میں کبھی مایوس نہیں رہا اور میں اپنے بعد اپنے بھائی بندوں کی (بدخلقی) سے خائف ہوں۔ اور میری بیوی بانجھ ہو چکی ہے۔ لہذا مجھے اپنی خصوصی

ۃ سورہ مریم ۴ تا ۶۔

عنایت سے سرپرست عطا فرمائیے۔ جو میرا اور آل یعقوب کا وارث بنے اور اے پروردگار اسے اپنا برگزیدہ بنانا۔"

ایسی صورت میں اسلام نے اپنے "نظام معاشی تحفظ" میں "وصایہ" کا نظم پیش کیا ہے۔ ایسا شخص کسی دوسرے معتمد علیہ شخص کو اپنا "وصی" مقرر کر دے جس کے باضابطہ اختیارات ہوں گے۔ جنہیں وہ مرنے والے کے بعد اس کی منشا کے مطابق لاگو کرے گا۔ وصی اپنے ان مفوضہ فرائض کے بارے میں جوابدہ بھی ہوگا۔ فقیہہ مرغینانیؒ نے وصی کے فرائض کا اجمالی نقشہ یوں پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

"شراء کفن المیت وتجہیزہ وطعام الصغار وکسوتہم ورد الودیعۃ ورد المغصوب والمشتری شراء فاسداً وحفظ المال وقضاء الدیون وتنفیذ الوصیۃ والخصومۃ فی حق المیت وقبول الھبۃ وبیع ما یخشی علیہ التوی والتلف وجمع الاموال الضائعۃ"[۹]

ترجمہ: میت کے کفن کی خریداری اور اس کی تجہیز و تکفین، چھوٹے بچوں کے کھانے پینے اور کپڑوں کا انتظام کرنا۔ امانت، غصب شدہ مال اور بیع فاسد سے خریدے ہوئے مال کی واپسی مال و جائیداد کی، قرضوں کی ادائیگی مرنے والوں کی وصیت کا نفاذ کرنا۔ اس کے کسی حق کے لئے جھگڑنا، ہبہ قبول کرنا، جلدی خراب ہونے والی اشیاء کا فروخت کرنا اور اس کے گمشدہ اموال کی بازیابی کے لئے تگ و دو کرنا۔

فیصلہ آپ ہی فرمائیے کیا ایسے نظام رحمت کے ہوتے ہوئے جو ایسے "وصی" مہیا کرتا

---

[۹] ہدایہ۔ ج ۵، باب الوصایا، ص ۶۷۹

ہے سرمایہ دارانہ نظام انشورنس میں ذمہ داریوں کے بیمہ کی ضرورت باقی رہتی ہے؟۔

وصایا کے اس طریقہ پر عہد رسالت اور خلفائے راشدین میں برابر عمل رہا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ، ام زینب بنت نبیط، حضرت جعفر کے صاحبزادوں محمد اور عبداللہ رضی اللہ عنہم اور قبیلہ بنی لیث بن بکر کی ایک لڑکی کے وصی تھے[۱۰]

حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے انہوں نے شہادت سے قبل ہی آپ کو وصی مقرر کیا۔ آپ نے حضرت محمد بن عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہما کو رہائش کے لئے مدینہ منورہ میں بازار "الرفیق" میں ایک مکان دیا اور خیبر سے زمین خریدی جو ان کی معاشی کفالت کے لیے کافی تھی۔ ام زینبؓ کے والد حضرت سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصی مقرر کیا۔[۱۱]

آپ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے بچوں محمد اور عبداللہ رضی اللہ عنہما کی "سرپرستی" قبول کرتے ہوئے فرمایا:

"انا ولیھم فی الدنیا والاخرۃ"

ترجمہ: میں دنیا اور آخرت دونوں میں ان کا ولی ہوں۔ ع ایں سعادت بزور بازو نیست۔

صحابہ کرام میں حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بار "وصیت" اٹھانے میں مشہور تھے انہیں سات جلیل القدر صحابہ (جن میں حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود، زبیر بن بکار، مطیع بن الاسود، مقداد بن الاسود اور ابوالعاص بن ربیع رضی اللہ عنہم اجمعین شامل ہیں) نے آپ کو اپنا وصی مقرر کیا۔

ایک دوسری روایت میں ہے۔

---

[۱۰] یہ تمام اسماء سمط الجواہر الفاخرہ میں مذکور ہیں۔

[۱۱] حوالا بالا۔

واصی الیہ سبعون من الصحابہ باموالھم واولادھم فحفظھما وکان ینفق علیھم من مالہ ۔ ؎۱۲

ترجمہ: ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں اپنے اموال اور اولاد کا وصی مقرر کیا آپ ان کی حفاظت کرتے تھے اور ان (صحابہ کی اولاد) پر اپنا مال خرچ کر دیا کرتے تھے۔

۴ امین

یہ شعبہ نوٹوں اور قیمتی کاغذات کا بیمہ کرے گا۔ یہ کاروبار ایک مردِ مومن بھی کر سکتا ہے۔ اور بہت سے افراد یا کمپنی بھی اور "بلا سود اسلامی بنک" بھی یہ خدمت انجام دے سکتا ہے۔ لیکن یہاں آپ کو سود نہیں ملے گا۔ بلکہ آپ اپنے امین کو اس کی خدمت کا صلہ بھی دیں گے۔ اگر وہ خود مقتدر رہے تو آپ سے شاید مطالبہ نہ کرے اور مطالبہ ضروری بھی نہیں۔ لیکن مطالبہ غیر شرعی فعل بھی نہیں۔ ہاں "اسلامی بے سود بنک" کی صورت میں اگر آپ چاہیں تو اپنی رقم "مضاربت" کے اصول پر کاروبار میں لگا کر نفع کما سکتے ہیں۔ لیکن نقصان کی صورت میں آپ کو نقصان بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ غرض اسلام نے امانت اور امین کا تصور دے کر موجودہ نظام انشورنس کا وہ مقصد باطریق احسن پورا کر دیا ہے جو بیمہ دار کے پیش نظر ہوتا ہے کہ اس کا مال محفوظ رہے اور اگر غیر سودی اسلامی بنک کے ذریعے "مضاربت" کے اصول پر کاروبار کرے تو اس کا مال بڑھ بھی سکتا ہے۔ گو دونوں مقاصد پورے ہو جائیں گے کہ مال محفوظ رہے اور بڑھتا بھی۔

باب ۵

اسلام کے نجی شعبہ میں نظام کفالت عامہ کے ذرائع

پچھلے اوراق میں ہم نے ان نجی اداروں کا ذکر کیا جو اسلامی ریاست کے شہری کی کفالت اس کے خطرات کا تحفظ اور اس کے غیر متوقع نقصانات کی تلافی کرتے ہیں۔ اب ہم مختصراً ان ذرائع کا ذکر کرتے ہیں جو ان کمپنیوں کے قیام میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ ان ذرائع کی وضاحت سے قبل ہم تمہیداً چند باتیں کرتے ہیں۔ اسلام نے اپنے نظام کفالت عامہ کا اگرچہ بوجھ اسلامی حکومت پر ڈالا ہے۔ مگر چند ذمہ داریاں افراد امت پر بھی ڈالی ہیں۔ جن میں سے بعض کی حیثیت قانونی بن جاتی ہے مگر اکثر کا درجہ اخلاقی ہی ہے۔ جن کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔ اسلام اپنے ماننے والے کی اصلاح باطن (جسے آپ ضمیر و وجدان کے نام سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں) اس درجہ کی کرنا چاہتا ہے کہ تمام افراد ان اخلاقی ذمہ داریوں کو قانونی ذمہ داریوں کی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر نبھانے کے عادی بن جاتے ہیں۔ اسلام افراد کی تربیت اس انداز پر کرتا ہے کہ وہ اپنی انفرادیت کو برقرار تو رکھ سکتے ہیں مگر اس میں گم ہو کر نہیں رہ سکتے ہیں۔ اسلام ایسی زندگی کو ہرگز پسند نہیں کرتا کہ آپ پیٹ بھر کر سو جائیں مگر آپ کے پہلو میں آپ کا ہمسایہ بھوکا رہے۔

افراد امت کے وہ تمام ذرائع جن سے ان کے محتاج بھائیوں کی غربت اور تکلیف کا ازالہ ہو سکتا ہے وہ انفاق کی حدود میں شامل ہیں۔ چنانچہ یہ انفاق واجب بھی ہے۔ جو اسلامی حکومت کے ذریعے ہوتا ہے۔ اور نفل (حق فاضل) بھی ہے جو اس جگہ زیر بحث

ہے۔" انفاق کی اس دوسری قسم میں ایک حاجتمند کی حاجت روائی کے لئے مالی عطا بھی انفاق ہی کی ایک شکل ہے اور مالک بنائے بغیر منفعت کے خیال سے بے پرواہ اور یکسو ہو کر مالی مدد کرنا بھی انفاق ہی کے شعبہ میں شامل ہیں انفاق کے اس شعبہ سے متعلق جتنے ذرائع ہیں یہاں ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے

۱ صدقات نافلہ

اسلام کے نظام معاشی تحفظ میں انفرادی صدقات نافلہ کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے ۔ یہ صدقات غربا اور محتاجوں کی وقتی حاجات کا انسداد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو دنیا اور آخرت میں نفع والی تجارت فرمایا ہے۔ جس کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ ارشاد خداوندی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَٰهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَٰرَةً لَّن تَبُورَ. لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ۔ [۱]

ترجمہ: یقیناً جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق کے طور پر دے رکھا ہے اس میں سے چھپے کھلے خرچ کرتے ہیں۔ وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جس میں گھاٹے کا تو امکان ہی نہیں ان کے اعمال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ انہیں پورا پورا بدلہ دے اور اپنی خصوصی مہربانی سے انہیں اس کے علاوہ مزید انعام سے بھی سرفراز فرمائے ۔ یقیناً وہ خطاؤں کو بخش دینے والا قدر شناس ہے۔

---

[۱] فاطر - ۲۹ : ۳۰

یہ صدقہ خیرات ہر حال میں نفع دے جانے والی تجارت ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ . وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۔ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ؏

ترجمہ :۔ اور خیرات میں سے جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے ہی نفع کے لئے ہے اور تم جو کچھ خرچ کرتے ہو وہ اللہ کی رضا ہی کے لئے تو ہے اور جو کچھ مال تم خیرات کے طور پر خرچ کرو گے اس کا تمہیں پورا پورا عوض ملے گا۔ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ اپنے مخلص مومنین کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ۔ اَلَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَا اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ؏

ترجمہ : اور سرافگندہ لوگوں کو بشارت دیجئے وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل فرطِ خشیت سے پھڑک اٹھتے ہیں اور جو انہیں تکلیف پہنچتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں جو کچھ انہیں رزق کے طور پر ہم نے دیا ہے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔

؏ البقرہ ۔ ۲۷۲ ۔

؏ الحج ۔ ۳۴، ۳۵ ۔

تَتَجَافٰی جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔[۴]

ترجمہ: ان (مخلص بندوں) کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں اور وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید کے ملے جلے جذبات کے ساتھ پکارتے ہیں ۔ اور جو کچھ ہم نے انہیں رزق کے طور پر دیا ہے اس میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں ۔ کوئی بھی اس راز کو نہیں جانتا کہ ایسے لوگوں کے لئے پردہ غیب سے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان پوشیدہ ہے ان اعمال کے بدلے میں جو وہ کیا کرتے تھے ۔

ایسی خوشخبری دینے والی اور وجدان پر گہرا اثر چھوڑنے والے ارشادات الٰہیہ کا ہی اثر تھا جس نے مومنین کو ایسا بنایا جس کی حقیقت قرآن کی زبانی سنیئے :۔

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ۔[۵]

ترجمہ: وہ ایسے ہیں کہ اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دیتے ہیں خواہ خود کتنی تنگدستی اور فاقہ مستی کا شکار ہوں ۔

قرآن اس نقش کو ایک دوسرے انداز میں یوں تازہ کرتا ہے اور مسلمانوں کے انفاق فی سبیل اللہ کی ایسی اچھوتی تصویر کھینچتا ہے جو اپنے حسن و دلکشی اور تاثیر میں اس سے کم نہیں ۔ یہ تصویر بعض روایات میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی زوجہ محترمہ حضرت

---

[۴] السجدہ ۔ ۱۶:۱۷

[۵] الحشر ۹ ۔

فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا اور ان کے گھر والوں کی ہے۔ اس زمانے کے عام مومنین کو بھی اگر اس تصویر کا مصداق بنایا جائے تو بالکل درست ہے کیونکہ اسلام ایسے ہی مومن بندے تیار کرتا ہے۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۔ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۔ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۔ [۶]

ترجمہ: ان ابرار کا طرز عمل یہ ہے کہ یہ اپنی نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے ڈرتے ہیں جس کے شدید مصائب کی ہولناکی چارسو چھا جائے گی۔ یہ لوگ مسکینوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلاتے ہیں، حالانکہ ان کا مال انہیں بھی عزیز ہوتا ہے۔ وہ ساتھ ساتھ یوں بھی کہتے ہیں کہ ہم تو تمہیں صرف اللہ کی خاطر کھلاتے ہیں نہ تم سے شکریہ چاہتے ہیں نہ احسان مندی کی آرزو رکھتے ہیں۔ ہم تو اپنے رب سے اس دن ڈرتے ہیں جو کہ مہیب اور پرھول ہوگا۔

یہ تو وہ مقامات ہیں جہاں قرآن خوشخبری اور آخرت کا شوق دلا کر مومنین کو خیرات کی تلقین کرتا ہے۔ ایسے بھی مقامات ہیں جہاں دھمکی دی ہے اور تہدید آمیز لہجہ اختیار فرمایا ہے۔ دراصل طبائع مختلف ہیں بعض تو فکر آخرت اور شوق جنت ہی میں جھک جاتی ہیں جبکہ بعض کو ذرا ڈرا دھمکا کر جھکایا جاتا ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ

---

[۶] الدھر۔ ۷ تا ۱۰۔

إِلَى التَّهْلُكَةِ - ۷؎

ترجمہ: اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

گویا انفاق فی سبیل اللہ سے رکنا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ - ۸؎

ترجمہ: جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ بخیلی ان کے لئے اچھی ہے۔ نہیں یہ ان کے حق میں نہایت ہی بری ہے جو کچھ وہ کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہ قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُم بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ - ۹؎

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے صدقات و خیرات کو احسان جتلا کر اور ایذا دے کر ضائع مت کرو۔ اس شخص کی طرح جو اپنا مال

۷؎ البقرہ - ۱۹۵ -

۸؎ آل عمران - ۱۸۰

۹؎ البقرہ - ۲۶۴ -

لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر یقین رکھتا ہے اور نہ قیامت کے دن پر۔

اسلام میں صدقات نافلہ کی کس قدر اہمیت ہے اس کا اندازہ آپ نے مندرجہ بالا آیات سے بخوبی لگالیا ہوگا۔ لیکن اسلام یہ بھی حکم نہیں دیتا کہ ایک شخص اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے خود مفلس بن کر بیٹھ جائے (البتہ اگر کوئی سارا مال ہی خرچ کر دے تو مستحسن ضرور ہے) لہٰذا فرمایا۔

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ۔[۱۰]

ترجمہ: اور اپنے ہاتھ کو نہ اپنی گردن کے ساتھ ہی باندھ لو (یعنی بخل نہ کرو) اور نہ بالکل ہی کھول دو (یعنی اسراف نہ کرو)

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث "ابداء بمن تعول"[۱۱] (اس سے شروع کرو جس کا نان و نفقہ تمہارے ذمہ ہو) میں صدقات دینے کی راہیں بھی متعین فرمادیں۔

وَعَنْ ابی امامہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا ابن آدم! اَنْ تَبْذِل الفضل خیرلك وان تمسکه شرلك۔[۱۲]

ترجمہ: حضرت ابوامامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے آدم کے بیٹے! اگر تو اپنی ضرورت سے زائد مال خرچ کر دے گا تو تیرے لئے بہتر ہے اور اگر اسے روکے گا تو برے نتائج برآمد ہوں گے۔

---

[۱۰] بنی اسرائیل ۔ ۲۹۔ [۱۱] صحاح ستہ، کتاب النفقات۔
[۱۲] مشکوٰۃ المصابیح، باب الانفاق وکراہیۃ الامساک، الفصل الاول

۲ قرض حسنہ

اسلام کے نظامِ معاشی اور سماجی تحفظ کا ایک مفید اور کارآمد ذریعہ "قرض حسنہ" ہے قرضہ حسنہ غریب حاجتمندوں کی وقتی حاجت روائی کا ذریعہ ہے اور بے مایہ مگر صاحب ہنر غریب کو کسی پیداواری کاروبار کے لیے بھی مؤثر ذریعہ ہے۔

"قرض حسنہ" کی تعریف یہ ہے کہ ایک دولت مند کسی ضرورتمند کی ضرورت کے انسداد کے لئے اور اس کی حاجت روائی کے لئے اس طرح اپنی رقم سے اس کو فائدہ پہنچائے کہ اس کا کوئی بدل (سود وغیرہ) اس سے حاصل نہ کرسکے[۱۳]۔ شریعت مطہرہ نے اس سلسلہ میں اتنی احتیاط سکھائی ہے کہ مقروض کی دعوت تک قبول کرنے سے گریز کیا جاتے۔ حضرت امام اعظمؒ جس کسی کو قرض دیتے اس کے مکان کی دیوار کے سایہ تک سے فائدہ اٹھانا گوارہ نہیں فرماتے تھے۔ قرض حسنہ ایک خوددار غریب کی خودداری کو بھی ٹھیس نہیں لگنے دیتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود مسلمانوں بلکہ اہل کتاب سے قرض کا لین دین فرماتے تھے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل حاجت کو قرضہ دینا خود اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے تعبیر فرمایا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِیْمٌ[۱۴]۔

ترجمہ: کون ہے جو کوئی اللہ کو قرض حسنہ دے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا کرکے لوٹائے اور کے لئے عزت والا بدلہ بھی ہے۔ یقیناً صدقہ دینے

---

۱۳ مولانا حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی، ۱۹۵۹ء ص ۲۶۷

۱۴ الحدید۔ ۱۱

والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں اور جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیا اس کو کئی گنا بڑھا کر دے گا نیز ان کے لئے پسندیدہ ثواب ہے۔

ان آیات کے مفہوم پر غور کیا جائے تو یہ راز بھی کھلتا ہے کہ چونکہ اس معاملہ میں مقروض کی جانب سے بد دیانتی کا زبردست خطرہ ہے اس لئے اس قسم کی اعانت کو واجب نہیں قرار دیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے وعدوں کے ساتھ صرف اخلاقی ترغیب پر ہی بس فرمایا۔ لیکن اسلام اس کے ساتھ مقروض کو بھی سخت تنبیہہ کرتا ہے کہ قرض حسن کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ قدرت ادا کے باوجود دوسرے کی رقم ہضم کر جائے یا دبائے رکھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

معطل الغنی ظلم[۱۵]۔ دینے کی قدرت کے باوجود دوسروں کے حق مطالبہ کی ادائیگی میں تاخیر ظلم ہے۔

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرَّھْنُ مقضِی"[۱۶]

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قرض کی ادائیگی بروقت فرض اور واجب ہے۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الید ما اخذت حتی تؤدی۔"[۱۷]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز کوئی کسی سے لے جب تک ادا نہیں کرے گا اس کا بار ادا اس پر برابر قائم ہے۔

---

۱۵ بخاری و مسلم۔ بروایت مشکوٰۃ، جلد ۱، لاہور ۱۹۶۴ء، ص ۴۴۴، حدیث نمبر ۹۔

۱۶ ابو داؤد بحوالہ مولانا حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام دہلی ۱۹۰۹ ص ۳۶۸

۱۷ ترمذی بحوالہ اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۳۶۸۔

مَنْ اَخذ اموال الناس يريد ادارها ادى الله عنه ومن اخذها يريد اتلا فها اتلفه ۔[۱۸]

ترجمہ: "شخص ادا کرنے کی نیت سے لوگوں کا مال بطور (قرض) لیتا ہو اللہ تعالیٰ اس کی طرف سے ادائیگی کا بندوبست فرمائے گا۔ اور جو اڑانے اور تلف کرنے کی نیت سے لیتا ہے اللہ اس کو بربادی کے حوالے کر دے گا۔

لیکن اس کے ساتھ اسلام قرض دینے والے کو بھی درس دیتا ہے کہ جہاں تک ہو سکے مفلوک الحال قرض دار کو چھوٹ دیئے رکھے۔

"وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۔ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ"[۱۹]

ترجمہ: اور اگر تمہارا قرض دار تنگدست ہو تو اس کی آسودگی تک اسے مہلت دے دو اور اگر معاف ہی کر دو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں (دیکھئے ترغیب کا کتنا اچھا اندازہ ہے)۔

رحم الله رجلاً سمحا اذا باع واذا اشترى واذا اقتضى[۲۰]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت میں خوشدلی اور سلیقہ مندی برتتا ہے اور قرض کا تقاضا کرنے میں نرمی سے پیش آتا ہے

---

[۱۸] بخاری بحوالہ مشکوٰۃ، ج ۱، لاہور ۱۹۶۴ء ص ۲۴۵، حدیث نمبر ۱۲

[۱۹] البقرہ۔ ۲۸۰۔

[۲۰] مشکوٰۃ شریف باب المساھلہ فی المعاملہ حدیث نمبر ۱

میں آپ کو پھر یاد دلاتا ہوں کہ اسلام کے نظامِ معاشی تحفظ اور کفالت کا ما بہ الامتیاز اصول "محتاج کی عزتِ نفس اور احترامِ ذات" یہاں بھی کارفرما نظر آتا ہے۔ قرض کے تقاضے میں پیدا کرنے سے مقروض کی عزت و آبرو کو محفوظ کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں۔

مَنْ انظر معسراً او وضع عنه اظله الله فِي ظلّه ۔ [۲۱]

ترجمہ: جس نے تنگ حال مقروض کو مہلت دی یا اس کے لئے کچھ کمی کر دی اسے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سایہ کے تلے جگہ عطاء فرمائیں گے جب کہ اس دن بجز اس کے سایہ کے کوئی سایہ میسر نہیں آئے گا۔

دیکھیے اس ارشادِ گرامی میں تو قرض دینے والے کو قرض میں کمی یا معاف کر دینے تک کی ترغیب دلائی ہے۔ جس سے یہ بات اور زیادہ روشن ہو گئی۔ قرض حسنہ دراصل امداد باہمی اور احسان کی ہی ایک صورت ہے ایک اور روایت میں آتا ہے۔

"من سره ان ینجیه الله من کرب یوم القیامة فلینفس عن معسر او یضع عنه" [۲۲]

ترجمہ: جو قیامت کے روز کرب و اضطراب سے بچنا چاہتا ہے اسے چاہیئے کہ تنگ حال مقروض کی مشکلات رفع کرے یا اس سے جو مطالبہ ہو اس میں کچھ کمی کر دے۔

---

[۲۱] مشکوٰۃ مطبع نور محمد، صفحہ ۲۵۱ باب الافلاس والانظار

[۲۲] مسلم بحوالہ مشکوٰۃ، ج ۱ لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۴۴۶، حدیث نمبر ۴

۲ ہبہ

اسلام کے نظام کفالت عامہ میں ہبہ بھی ایک اہم طریقہ ہے۔ فقہ اسلامی میں ہبہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے کسی شئے کو دوسرے کی ملکیت میں بغیر عوض کے دے دینا۔ حدیث نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی حکمت معاشی وسائل میں اضافہ بتائی گئی ہے۔ اگر سوال اور انتظار کے بغیر ایک شخص اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ مالی بھلائی کرتا ہے تو اس کو قبول کر لینا چاہیئے اور رد نہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ یہ رزق ہے جو اللہ تعالی نے اس کے بہانے سے اس کے علاوہ کے لئے مقرر کیا ہے۔

قانون ہبہ میں اگرچہ غریب یا فقیر حاجت مند کی شرط نہیں۔ بلکہ ہبہ امیر اور غنی کو بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس عنوان کے تحت ہمارا مقصد صرف ہبہ کے اس پہلو سے ہے جو غربا کی رفاہیت کا موجب بنے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب دیتے ہوئے یہ حکمت بیان کی گئی ہے کہ اس سے باہمی الفت و محبت میں استحکام اور تازگی پیدا ہوتی ہے۔ ارشاد ہے۔ "تھادوا تحابوا"[۲۴] آپس میں ہدیہ دیا لیا کرو اس طرح باہمی الفت کی طرح ڈالو۔

ہبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ واہب کا مقصد نیک ہو نہ کہ کسی پر ظلم کرنا۔ حقوق اللہ (زکوۃ اور صدقات واجبہ) اور حقوق العباد میں سے کسی کی حق تلفی مقصود نہ ہو۔ اس کی افادیت کی شکل یہ ہے کہ ایک متمول شخص اگر اپنے ذاتی حقوق اور مفوضہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے بعد بھی فاضل دولت پاتا ہے۔ تو اس کے لئے مناسب ہے وہ اپنی یہ دولت حاجتمندوں اور محتاجوں پر صرف کر کے ان کے معاشی تفکرات ختم کرے۔

---

[۲۴] مشکوٰۃ، ج ۱، لاہور ۱۹۶۴، ص ۔ ۶۶ ۔

۴ عاریت

عاریت کے لغوی معنی "ادھار" کے ہیں جیسے ہم کہتے ہیں "میں نے عبداللہ سے یہ چیز عاریتاً لی ہے" اصطلاح فقہ میں اس کے معنی ہیں "کسی شخص کا اپنی ملکیت کے منافع کو بغیر معاوضہ کے دوسرے کی ملکیت بنا دینا"

زندگی میں ہر شخص اپنی ضرورت کی ہر شے بنا سکتا ہے نہ خرید کر سکتا ہے۔ پھر بعض لوگ غریب ہوتے ہیں جن میں اتنی استطاعت نہیں ہوتی کہ اپنی ضروریات کی تمام اشیا خرید سکیں۔ اسلام جس قسم کا سماج قائم کرتا ہے اس میں ہر شخص کو ہر شے خریدنے کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ وہ مسلمانوں میں ایسی سپرٹ پیدا کر دیتا ہے کہ وہ عام استعمال کی اشیا آپس میں لے دے کر گذارہ کر لیتے ہیں۔ جو ان میں الفت و محبت پیدا کرنے کا سبب بھی بنتا ہے اسلام کی نظر میں وہ شخص یا معاشرہ اور معاشرہ کے وہ نمازی تک پسندیدہ نہیں جو مانگنے کی چیزیں ایک دوسرے کو نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس چیز کی اہمیت واضح کرنے کے لئے ایک پوری سورۃ "الماعون" نازل فرمائی ملاحظہ ہو۔

"فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۔ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ،
الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۔

ترجمہ: پس خرابی ہے واسطے ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں کے بارے میں سستی کرتے ہیں۔ جو دکھاوا کرتے ہیں لیکن ایک دوسرے کو برتنے کی چیزیں عاریت پر نہیں دیتے

کیا ان آیات کریمہ میں یہ اشارہ تو نہیں ہے کہ جو متمول لوگ اپنے محتاج بھائیوں کو عام

---

۲۵ الماعون: ۴ تا ۷۔

برتنے کی عام اشیاء عاریتہ نہیں دیتے ان کی نمازیں بھی دکھاوا ہیں ؟ غور کا مقام ہے۔ گویا کہ عاریتہ معاشرتی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے اور علو نفسی ۔ عالی ظرفی اور ایثار و قربانی کا بڑا واضح ثبوت ہے ۔ جس کی اسلام نے تاکید فرمائی سعیدیات کے مصنف لکھتے ہیں ۔

واجمعت الامة علی جوازها واستحبابها واستحسانها لما فیها من اجابة المضطر واغاثة الملهوف ۔[۲۶]

ترجمہ : امت کا اس پر اجماع ہے کہ عاریت نہ صرف جائز ہے بلکہ مستحسن اور مستحب بھی ہے اس لئے کہ اس میں مجبور کی حاجت روائی اور نادار کی اعانت و امداد ہے ۔

لیکن عاریتہ کی واپسی مالک کے لئے نہایت عزیز ہوتی ہے اور یہ بھی خطرہ ہے کہ کہیں لینے والا دبا ہی نہ لے ۔ اسلام اسے یہ سکھاتا ہے کہ عاریتہ لی ہوئی چیز تیری ملک نہیں یہ تیرے بھائی کی ہے جس نے تجھے حاجت روائی کے لئے دی تھی ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔

" العاریة مؤداة "[۲۷]

عاریت کی واپسی عاریت لینے والے کے ذمہ ہے ۔

۵ وصیت

مال سے محبت اور اس کے خرچ کرنے میں بخل و امساک انسانی فطرت کی سب سے

---

[۲۶] سعیدیات ۔ جزء ۲ ، ص ۱۳۱ ، مولانا حفظ الرحمٰن ، اسلام کا اقتصادی نظام ، دہلی ، ۱۹۵۹ ، ص ۳۶۸۔

[۲۷] ایضاً ، ص ۔ ۳۶۹ ۔

بڑی کمزوریوں میں سے ایک ہے جس کی عقدہ کشائی قرآن حکیم نے وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ [۲۸] (اور نفوس حریص واقع ہوئے ہیں۔)

"وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ" [۲۹]

ترجمہ: اور وہ لقیناً مال کی محبت میں بڑا سخت ہے۔

"وَتُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا" [۳۰]

ترجمہ: اور تم مال پر ریجھ جاتے ہو۔

کے پاکیزہ کلمات سے فرمائی ہے۔ ہر چند اسلام نے انسان کو بندہ حرص و ہوا بننے سے منع کیا ہے اور اسے انفرادی اور اجتماعی حقوق کی ادائیگی کی قانوناً اور اخلاقاً تلقین کرتا ہے۔ پھر انسان اپنی آنکھوں سے اپنے ابنائے جنس کو لٹتے مرتے دیکھتا ہے لیکن اس کی عبرت کی آنکھ ہے کہ کھلتی نہیں۔ اور ادائیگی حقوق میں کوتاہی کرتا ہے۔ لیکن جب قویٰ مضمحل ہو جاتے ہیں بیماریاں گھیر لیتی ہیں۔ موت کا وقت آکر اس کی آمد کا یقین دلا دیتا ہے نبض رکنے لگ جاتی ہے۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جاتی ہیں اور ہر طرف سے کانا پھوسی شروع ہو جاتی ہے۔ کہ آج فلاں کا وقت تو آگیا ہے اس وقت یہ ہمیشہ ہوش میں نہ آنے والا ہوش میں آتا ہے کہ اب ہی کچھ کر جاؤں۔ اس کی اس گھبراہٹ اور وحشت میں دین رحمت اسے وصیت کا سہارا دیتا ہے۔

اسلامی شریعت میں کسی شے کو یا اس کے منافع کو بطریق حسن سلوک یہ کہہ دینا یا لکھ دینا کہ میری موت کے بعد فلاں کے لئے ہے" وصیت کہلاتا ہے مگر چونکہ اس مال میں

---

[۲۸] النساء - ۱۲۸

[۲۹] والعادیات - ۸

[۳۰] الفجر - ۲۰

ورثاء کا حق بھی شامل ہوگیا ہے اس لئے شریعت مطہرہ نے صرف ⅓ (تہائی) میں وصیت کو جائز اور نافذ قرار دیا ہے۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الثلث والثلث کثیر" [۳۱]

ترجمہ: صرف تہائی کو وصیت کو جاری کرو۔ اور ایک تہائی بہت زیادہ ہے۔

شریعت نے اس کے علاوہ بھی وصیت کی شرائط مقرر فرما دی ہیں۔ مثلاً "لا وصیۃ لوارث" وارث کیلئے وصیت نہیں کی جاسکتی کیونکہ وہ تو خود ترکہ میں برابر کا شریک وسہیم ہے۔ اس حال میں اس کے لئے وصیت کرنا دوسروں پر ظلم ہے۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الاضرار فی الوصیۃ من الکبائر ولیس لقاتل وصیۃ" [۳۲]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار! وصیت میں نقصان دینا (کسی حقدار کو) گناہ کبیرہ ہے قاتل کے لئے وصیت ہرگز درست نہیں۔

علاوہ ازیں وصیت کرنے والا قرض دار نہ ہو۔ ورنہ پہلے اس کا قرض ادا کیا جائے۔ کیونکہ ادائے قرض وصیت اور وراثت دونوں پر مقدم ہے۔ [۳۳]

"من بعد وصیۃ توصون بھا او دین" [۳۴]

ترجمہ: بعد اس کے جو وصیت تم نے کی ہے پوری کردی جائے اور جو قرض تم نے تم نے چھوڑا ہے ادا کیا جائے۔

---

[۳۱] جامع ترمذی: ج ۲، باب ماجاء فی الوصیۃ بالثلث، حدیث نمبر ۱

[۳۲] ایضاً۔

[۳۳] مولانا حفظ الرحمٰن: اسلام کا اقتصادی نظام، ص ۳۶۶

[۳۴] نساء - ۱۲۔

غرض وصیت ایک ایسا عمل خیر ہے جس کے ذریعے دولت مند شخص اپنی زندگی کے آخری لمحات میں حاجت مند غریب کی حاجت روائی کر کے اپنی آخرت سنوار سکتا ہے۔

۶ امانت

اسلام کے نظام کفالت عامہ کا ایک ذریعہ "امانت" بھی ہے۔ امانت کا مفہوم یہی ہے کہ کوئی شخص اپنی قیمتی شے کسی مسلمان بھائی کے پاس اس شرط کے ساتھ رکھ دے کہ عند المطالبہ وہ اسے بجنسہ واپس کر دے گا۔ لیکن اگر چیز کا مالک امانت رکھنے والے کے پاس "باجازت تصرف رکھے تو یہ مالی رفاہیت کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث مبارکہ میں آتا ہے:-

"الامانۃ غنی"۔ امانت ایک قسم کی مالی رفاہیت ہے۔[۳۵]

"حدیث کے جملہ کی مراد یہ ہے کہ امانت، امین کی رفاہیت کا باعث بنتی ہے اس لئے کہ جب اس کی امانت داری کی شہرت ہو گئی تو لوگ کثرت سے اپنے فاضل اموال کو اس کی امانت میں رکھیں گے اور اس طرح یہ معاملات اس کی رفاہیت کا موجب بنیں گے۔[۳۶]

اس امانت کا طریق بالکل وہی ہے۔ جو بنک میں رقم رکھنے کا ہے۔ البتہ بنک میں حرام سود ملتا ہے جب کہ اسلامی طریق امانت میں الٹا امانت رکھنے والے اگر تصرف کی اجازت دیں تو روپیہ استعمال ہی ہو گا۔ لیکن کبھی اگر اس کا دوسرا پہلو (جو خداوند قدوس

---

[۳۵] بیہقی فی شعب الایمان۔

[۳۶] ابن الاثیرؒ، النہایہ، ج ۱، باب الامانت۔

۷ اوقاف

اوقاف جمع وقف کی ہے، وقف سے مراد جو جائیداد یا کوئی شے خدا تعالیٰ کے نام پر وقف ہو اس کی آمدنی فقراء، مساکین، مسافر قرض خواہ، ذوی القربیٰ اور یتامیٰ پر صرف کی جائے اور اسے کوئی فروخت نہیں کر سکتا ہے نہ ہبہ اور نہ ہی واقف کے ورثاء میں تقسیم ہو سکتی ہے۔ وقف کی عام تعریف یہ ہے کہ انسان موت کے فولادی پنجہ کی گرفت میں آنے سے قبل بحالت صحت و تندرستی اور بسلامتی ہوش و حواس اپنی دولت کا ایک حصہ "صدقہ جاریہ" کے طور پر دے۔ اس کا نام وقف ہے

وقف کی فقہاء نے دو قسمیں کی ہیں۔

۱۔ وقف اہلی ۲۔ وقف خیری

۱ وقف اہلی

ایسا وقف جو اپنی اولاد اور اقارب پر کیا جائے لیکن اس میں امور خیر پر وقف بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

۲ وقف خیری

وقف خیری میں صرف عام غرباء، مساکین اور یتامیٰ وغیرہ کی ہی خیر مطلوب ہوتی ہے۔ ہمارا تعلق زیادہ دوسری قسم سے ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی انفاق کو بھلائی اور تقویٰ تک رسائی کا ذریعہ فرمایا۔ اس عمل خیر کی اہمیت و فضیلت جتانے کا کتنا پیارا انداز ہے۔

کی رضا اور طمانیت ضمیر و وجدان کا ہے) نظر کے سامنے رہے تو مومن سود (جس کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمایا ہے) کا مطالبہ کئے بغیر وہ فاضل رقم اپنے مسلمان بھائی کے پاس "باجازت تصرف" رکھ سکتا ہے۔

امانت کے ذریعے غریب امین کی خوشحالی کا دوسرا ذریعہ یہ ہو سکتا ہے کہ اسے امانت کی حفاظت پر مناسب اجرت دی جائے۔

یہاں پہنچ کر مادیت زدہ سرمایہ دارانہ ذہن یہ سوال اٹھائے گا کہ آج کل ایسے امین غریب کہاں سے ملیں گے؟ آج کا غریب تو ڈاکو اور غاصب ہے۔ تو یاد رکھیئے کہ پہلے تو یہ نظریہ ہی غلط ہے کہ تمام غریب دھوکہ باز اور چور ہیں۔ اگر ایسی بات ہوتی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غریب بن کر رہنا، غریب رہ کر مرنا اور قیامت کے دن غرباء کی صفوں میں اٹھنے کی دعا نہ فرماتے۔ اور اگر اس بات کو مان ہی لیا جائے تو پھر یہ جان لیجیئے کہ ان کے چور اور ڈاکو بننے میں جتنا قصور ان کا ہے اس سے زیادہ ان سرمایہ داروں کا ہے۔ جنہوں نے اپنی تجوریوں کو گن گن کر بھر لیا ہے جب کہ غریب نان جویں کو ترستا رہے۔ پھر بنک سسٹم میں تو رقم اکتناز کا سبب بنتی ہے جب کہ امانت میں ایسا نہیں۔ اسلام امین کی ذہنی اور وجدانی تربیت اس انداز پر کرتا ہے کہ وہ امانتدار کی امانت کی حفاظت کرتا ہے اور بسلامت اس کے مالک کے سپرد کرتا ہے۔ اسلام کی تاریخ میں ایسے واقعات نہایت ہی قلیل ہوں گے کہ کسی نے امانت دبا لی اور پھر صاف بچ گیا۔

قرآن عزیز میں ہے۔

"اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا" [۳۷]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جس چیز کے تم امین بنائے گئے ہو اسے

---

[۳۷] نساء - ۵۸

اس کے مالک کے پاس لوٹا دو۔

" اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الخائنین " [۳۸]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

" لَا ایمَانَ لمن لا امانۃ لہٗ۔ " [۳۹]

ترجمہ: جس میں امانت کا مادہ نہیں اس کو ایمان سے بھی حصہ نہیں۔

اسلام خیانت کو اتنی بڑی قبیح حرکت تصور کرتا ہے کہ اگر کوئی ہمارے ساتھ خیانت کرے تو بھی ہمیں اس کے ساتھ خیانت کا سلوک کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔

فرمودہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

ادالامانۃ الی من أتمنک ولا تخن من خانک [۴۰]

ترجمہ: جس نے تجھے امین سمجھ کر تیرے پاس امانت رکھی اس کی امانت واپس کر اور جس نے تیرے ساتھ خیانت کی تو اس کے ساتھ خیانت نہ کر۔

الغرض اسلام امانت کے مفید پہلو کے ذریعے جہاں غریب کی مالی زبانیت کا انتظام کرتا ہے۔ وہاں ربوی شعبہ حرام قرار دے کر مذموم سرمایہ دارانہ کی جڑیں کاٹتا ہے اور مالی نظام میں عادلانہ توازن قائم کرتا ہے۔

---

[۳۸] الانفال: ۵۸

[۳۹] رواہ بیہقی فی شعب الایمان

[۴۰] ترمذی، ج ۱، کتاب البیوع، باب حدثنا ابوکریب، عن أبی ہریرہ رض

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ [1]

ترجمہ: تم خیر بھلائی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ چیز خرچ نہ کرو جو تمہیں سب سے زیادہ پسند نہ ہو۔

داعی انقلاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قانون کی تشریح ایک اچھوتے انداز میں فرمائی ہے۔

"عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلثۃ صدقۃ جاریۃ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعو لہ۔" [2]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین طرح سے پہلا صدقہ جاریہ دوسرا علم نافع تیسرا نیک اولاد جو اس کے لئے دعاگو رہے۔

دیکھیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسان کی بے بسی کی کس قدر حسرت ناک تصویر کشی کرکے "صدقہ جاریہ" کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہیں۔

تعامل صحابہ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے وقف علی الخیر کی معاشی اہمیت اور زیادہ روشن ہوجاتی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

" ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مدینہ کے انصاریوں میں سب سے زیادہ

---

[1] ال عمران۔ ۹۲

[2] بخاری کتاب الوقف

مالدار ہیں۔ ان کا کھجور کا نہایت گھنا اور لدا پھندا باغ ہے جو مسجد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے قریب بھی ہے بلکہ بالکل سامنے جسے بیرحا کہتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار اس میں تشریف لے جاتے اور وہاں کا شیریں پانی پیتے ہیں۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کو یہ باغ نہایت عزیز ہے مگر جونہی آیت لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" نازل ہوتی ہے تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ جن کا ضمیر وجدان جب مال کی آسائشوں سے مکمل پاک ہو چکا ہے۔ فوراً کھڑے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جانتے ہیں مجھے میرا " بیرحا" سب سے زیادہ پیارا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں۔ تو میں اسے اللہ کی راہ میں صدقہ (وقف) کرتا ہوں۔ مجھے تو صرف اسی کی خوشنودی درکار ہے۔ آپ اب مختار ہیں اسے جہاں چاہیں خرچ فرمائیں۔"[۴۳]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے ان کے رشتہ داروں کو دے دیتے ہیں اس لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طلحہؓ کا یہ وقف اہلی ہے۔[۴۴]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، کو خیبر کی جاگیر ملتی ہے۔ جو ان کی معاش کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اسے صدقہ کر دیتے ہیں اور ساتھ یہ شرط بھی لگا دیتے ہیں کہ نہ تو کوئی اس زمین کو خرید سکتا ہے اور نہ وارثت کے طور پر تقسیم کر سکتا ہے اور نہ ہی ہبہ کر سکتا ہے۔ آپ اسے صرف اور صرف فقراء، اقرباء غلاموں کی آزادی۔ کارہائے خیر اور

---

[۴۳] بخاری، مسلم، ترمذی، کتاب الوقف

[۴۴] التاج الجامع الاصول۔ ج ۲، ص۔ ۲۷۳۔

مسافروں اور مہمانوں کے لئے وقف کرتے ہیں۔ اور ساتھ یہ تصریح بھی فرمادیتے ہیں کہ اس کا متولی اس سے اپنا مناسب روزینہ لے سکتا ہے اور ذخیرہ کئے بغیر اپنے دوست کی حاجت روائی کرسکتا ہے[۵]۔ حضرت عمرؓ کا یہ وقف "الوقف الخیر" تھا۔[۶]

شرائط

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مندرجہ بالا عمل سے وقف کی شرائط بھی طے ہو جاتی ہے۔

۱ نہ اسے کوئی حکومت یا فرد آگے فروخت کرسکتا ہے۔

۲ نہ وارثت کے طور پر تقسیم کرسکتا ہے۔

۳ اور نہ ہی کسی کو ہبہ کرسکتا ہے۔ لیکن ان کے علاوہ بھی فقہا نے وقف کی شرائط مقرر کی ہیں۔

۴ وقف میں تابید شرط ہے یعنی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہو نہ کہ کسی مخصوص وقت کے لئے۔

۵ واقف کی بیان کردہ جائز شرائط کا پورا کرنا اسلامی حکومت یا اس کے ولی پر فرض ہے۔ البتہ عرف عام بعض اوقات کسی حکم خاص میں تخصیص پیدا کرسکتا ہے۔

۶ لگان اور مالگذاری کے طے شدہ مالیہ کے علاوہ وقف کی اصلاح و مصالح سے الگ اس پر مزید ٹیکس لگانے اور باعث نقصان قیود عائد کرنے کا کسی کو کوئی حق نہیں۔ اس لئے کہ وہ کسی کی ذاتی جائداد نہیں رہتی بلکہ رفاہ عام کا ایک قائم سرمایہ ہے۔[۷]

---

[۵] بخاری، مسلم، ترمذی؛ کتاب الوقف

[۶] التاج الجامع الاصول۔ ج ۲، ص ۲۷۳۰۔

[۷] درّ المختار، ج ۳، کتاب الوقف، جامع الفصول۔ ج۔۲، ص ۔ ۱۷۷

۷ وقف اگر جائیداد یا اراضی کی شکل میں ہو تو وہ امیر اور حاکم ان کے تصرفات سے آزاد رہتا ہے۔ جو وقف کے مقاصد اور مصالح کے خلاف ہوں۔

اس لئے کہ وقف کے مصالح کے بغیر اس میں نہ ایسی تبدیلی درست ہے نہ ایسا عمل جو اس کی آمدنی اور ذرائع آمدنی میں کمی کا باعث بن جائے یا اسے تباہ و برباد کر دے۔ [۴۸]

۸ کفارات

اسلام کے نظام کفالت عامہ میں غربار، فقرار اور ضعفار کی پرورش کی کس قدر اہمیت ہے۔ اس کا اندازہ آپ اس سے فرما سکتے ہیں کہ انسانوں کے بعض گناہ اور کوتاہیاں ایسی ہیں جن کی توبہ کے لئے اسلام مالی کفارہ مقرر کرتا ہے۔ جسے وہ غربا، مساکین اور غلاموں کے لئے معاشی کفالت کا ذریعہ ٹھہراتا ہے۔ مثلاً جو شخص قسم کھا کر توڑ دے۔

"فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ ۖ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ" [۴۹]

ترجمہ: اس کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے جیسا اوسط درجے کا تم اپنے بچوں کو کھلاتے یا انہیں کپڑے پہنانا ہے۔ یا ایک غلام آزاد کرنا مگر جو ایسا نہ کر سکتا ہو وہ تین دن کے روزے رکھے۔

اسی طرح حج کے احرام کی حالت میں جو شخص شکار کرے اس کے کفارے کا ذکر کرتے

---

[۴۸] مولانا حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی ۱۹۵۹، ص ۳۶۴۔

[۴۹] المائدہ: ۸۹۔

ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ" [۵۰]

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم احرام (حج) کی حالت میں ہو تو شکار نہ کیا کرو اور تم میں سے جس کسی نے جان بوجھ کر کوئی جانور قتل کیا تو اس پر اس جانور کا بدلہ اسی کی مثل چوپایوں میں ہوگا۔ جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر آدمی کریں یہ جانور بطور ہدی خانہ کعبہ پہنچایا جائے یا وہ شخص کفارہ کے طور پر مساکین کو کھانا کھلائے یا اس کے برابر روزے رکھے تاکہ وہ اپنی غلطی کی سزا کا مزا چکھے۔

جو شخص ظہار کرے (یعنی اپنی زوجہ کو اپنی ماں یا بہن کی طرح کہہ کر اپنے لئے حرام کرے) پھر رجوع کرنا چاہے تو اس کے لئے کفارہ ہے۔

"وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِن نِّسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا۔ ذَٰلِكُمْ تُوعَظُونَ بِهِ۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِن قَبْلِ أَن يَتَمَاسَّا۔ فَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ فَإِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا" [۵۱]

---

[۵۰] المائدہ۔ ۹۵۔

[۵۱] المجادلہ۔ ۳۔۴

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں یا بہن کہیں اور پھر جو کچھ انہوں
نے کیا۔ اسے واپس لینا چاہیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ
(بیویوں) کو ہاتھ لگانے سے قبل ایک غلام آزاد کریں اس سے
تمہیں نصیحت ہوگی اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے
ہیں پھر جو کوئی غلام کو نہ پائے تو وہ دو ماہ متواتر روزے رکھے
اس سے قبل کہ اپنی بیویوں کو ہاتھ لگائے۔ جو کوئی اس کی استطاعت
نہ رکھتا ہو تو اس کو پھر ساٹھ مساکین کو کھانا کھلانے کی سزا ہوگی۔

آیئے ایک اور انداز پر سوچیں۔ ذرا مندرجہ بالا آیات کریمہ کو دوبارہ پڑھیئے اور دیکھیئے کہ یہاں بندے نے کسی بندے کا جرم نہیں کیا وہ قسم توڑ کر یا ظہار کر کے یا احرام میں شکار کر کے اپنے رب کا ہی مجرم تو بنتا ہے۔ مگر اللہ کریم اپنے مجرم کی توبہ اس وقت تک قبول نہیں فرماتے جب تک کہ وہ غلام آزاد نہ کرے، مساکین کو نہ کھلائے یا کپڑے نہ پہنائے یا روزے نہ رکھے۔

یہاں ایک اور نقطہ آپ کو سمجھاتے جائیں۔ اوپر آیات میں روزہ رکھنے کا حکم دے کر رب العالمین گناہگار شخص کو غریب کی بھوک کا احساس دلانا چاہتے ہیں۔ کہ دیکھ ایک تیرا بھائی ایسا بھی ہے جس کو دو وقت کھانا میسر نہیں۔ ایک تو ہے جو کھا کر اللہ کا جرم کرتا ہے۔

ذرا غور تو فرمائیے اسلام ایسے نظام کفالت کے ہوتے ہوئے جس میں اللہ کریم اپنے مجرم کی توبہ بھی اپنے غریبوں کی حاجات پوری کرنے میں قبول کرتے ہیں کیا اگر اس کا نظام زندگی اخلاص اور دیانتداری سے اپنایا جائے۔ تو کیا کوئی فرد محروم المعیشت رہ سکتا ہے؟

مندرجہ بالا جرائم کی پاداش کے نتیجے میں جو نظام کفالت" جنم لیتا ہے اس میں غور فرمائیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اسلام کے نظام "معاشی تحفظ" کا نمایاں اصول غریب کی عزت نفس اور تکریم ذات کو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ امیر کو احساس دلایا گیا ہے کہ یہ غریب ذلیل نہیں ہیں اور نہ معاشرہ پر بار ہیں بلکہ امراء اور گناہگاروں کے لئے باعث رحمت ہیں کہ ان کے ذریعے

سے تمہاری توبہ قبول ہوتی ہے۔

۹ میراث

اسلام کے نظام کفالت عامہ میں ایک اہم مظہر "میراث کی تقسیم" ہے
"خاندانی کفالت باہمی" میں جہاں باپ کو اس کی زندگی میں اس کی اولاد کی پرورش و تربیت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ وہاں اسے یہ احساس بھی دلایا گیا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے بعد بھی اپنی اولاد کی فکر کرے۔ یہی فکر وہ انشورنس ہے جو والد کی وفات کے بعد صغر سن بچوں کے لئے ہوتی ہے۔ کہ باپ اپنی زندگی میں ہی کچھ بچا جائے۔ جو اس کی موت کے بعد اس کے لواحقین — بیوی، اولاد، والدین، بھائی وغیرہ میں تقسیم ہو کر ان کی معاشی مشکلات کو کم کر دے۔ اسلام والد کو اس کی موت کے بعد اولاد کی فکر کی تلقین دیکھیے کن الفاظ میں کرتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"انك ان تدع ورثتك اغنياء خير من ان
تدعوهم عالة يتكففون الناس"[۵۲]

ترجمہ: تمہارا اپنے ورثاء کو غنی چھوڑنا۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ان کو ایسا محتاج چھوڑے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتے پھریں۔

موت کے بعد بچوں کی فکر اور ان کے لئے وراثت کا چھوڑنا ایک فطرتی داعیہ ہے۔ اسلام جو دین فطرت ہے۔ اس کو کچلتا نہیں بلکہ اس کی مناسب اور جائز راہیں تجویز کرتا ہے۔ یہ فطری داعیہ ہی تھا۔ جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا۔ جب

---

۵۲ مشکوٰۃ المصابیح۔ ج ۲، ص ۵۶۷۔

وہ اپنی ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خطاب فرما رہے تھے اس حال میں کہ آپ نے ان کے لئے کوئی میراث نہیں چھوڑی تھی گویا کہ میراث کا نہ چھوڑنا ظاہراً ایک کمی تھی جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا تھا۔[۵۳] اور یوں دراصل اس سلسلہ میں امت کی تربیت کرنا مقصود تھا۔

"ان امرکن بما یھمنی من بعدی"[۵۴]

ترجمہ: تمہارے معاملہ نے مجھے فکر میں ڈال رکھا ہے کہ میرے بعد تمہاری گذر اوقات کیونکر ہو گی۔

کمیونزم نے نظام میراث کو ختم کر دیا ہے۔ اسے وہ انفرادی ملکیت کا ذریعہ سمجھتا ہے لیکن یہاں کمیونزم نے بہت بڑی غلطی کی ہے جس کے نتائج ظاہر ہو رہے ہیں اور مستقبل میں خطرناک صورتحال میں سامنے آئیں گے۔ نظام میراث معاشی تگ و دو کے لئے مہمیز کا کام کرتا ہے۔ ایک خاندان کا سربراہ صرف اپنے حال کے لئے ہی نہیں بلکہ مستقبل کے لئے بھی کوشش کرتا ہے۔ یہ بات انسانی فطرت میں شامل ہے۔ جس کا شاعر مشرق نے اشارہ فرمایا ہے۔

؎ فکر فردا نہ کروں محو غم دوش رہوں ؟

لیکن کمیونزم نے اس جبلت کو کچلنے کی کوشش کی ہے پھر میراث کے معاشرتی اور اخلاقی فوائد بھی ہیں اس سے والدین اور اولاد اور دیگر صلبی لواحقین کے درمیان الفت و یگانگت کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔ بھلا اس باپ کی بڑھاپے میں خدمت تہذیب حاضر کی پروردہ اولاد کیونکر کرے گی جو ان کے لئے ارادۃً کوئی میراث نہیں چھوڑ رہا۔ اسلام نے میراث کا نظام

---

۵۳ یہ احقر مقالہ نگار کی ذاتی توجیح ہے اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے اور اگر غلط تو میری طرف سے۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔

۵۴ مشکوٰۃ المصابیح۔ ج ۲، ص ۵۶۷۔

دے کر گویا کہ پیرانہ سالی میں والدین کی خدمت کا ایک ذریعہ پیدا کیا ہے۔ جبکہ کمیونزم میں یہی بڑھاپا بے کاری اور معاشرے پر بار کی علامت ہے۔

پھر اسلام کا نظام میراث سرمایہ دارانہ نظام کے اصول اکتناز دولت کا خاتمہ کر کے گردش دولت پیدا کرتا ہے سرمایہ دارانہ نظام کے اصول "توریث خلف اکبر" (جس کے مطابق باپ کی موت کے بعد جائیداد بڑے بیٹے کو ملے) اور مشترک خاندانی جائیداد (جس کا مقصد مرتکز شدہ دولت مرنے والے کے بعد بھی مرتکز ہی رہے) کے خلاف نہایت عادلانہ قوانین میراث دیئے جس کے مفصل احکام سورہ نساء میں دیئے گئے ہیں۔ آیت نمبر ۷ تا ۱۲ اور آیت نمبر ۱۷۶ ملاحظہ فرمائیں۔ ہم نے مضمون کے خوف سے انہیں تحریر کرنے کی سعادت نہیں پائی۔

۱۰ النفقات

اسلام نے ہر انسان پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنے خاص خاص رشتہ داروں کی معاشی کفالت کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں اس فریضہ کی طرف اشارہ بھی فرمایا ہے۔

"ابدا بمن تعول"[۵۵] (اس سے شروع کرو جس کا نان نفقہ تمہارے ذمہ ہے۔

بعض رشتہ دار تو ایسے ہیں جن کی کفالت انسان پر فرض ہے چاہے وہ امیر ہو یا غریب۔ اور وہ اسے پسند کرے یا ناپسند۔ مثلاً بیوی، اولاد، ضعیف اور والدین کے والدین وغیرہ۔[۵۶]

---

[۵۵] صحیحین: کتاب النفقات۔

[۵۶] عبدالرحمٰن الجزیری: کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ۔ ج۔۴ ص۔ ۵۸۸، ۵۸۹

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من اطیب ما اکل الرجل من کسبہ وولدہ من کسبہ“ ۵۷

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ آدمی کے لئے سب سے اچھی خوراک اپنی کمائی میں سے کھانا اور اس کا بیٹا اس کی کمائی میں داخل ہے

”عن عائشہ عن النبی صلی اللہ علیہ انہ قال۔ ولد الرجل من کسبہ ومن اطیب کسبہ فکلوا من اموالھم“ ۵۸

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی اولاد اس کی کمائی میں داخل ہے اور بلکہ سب سے پاکیزہ کمائی ہے۔ لہٰذا تم ان (اپنی اولاد) کے مال میں سے کھاؤ۔

ان دونوں احادیث مبارکہ میں اگرچہ باپ کا ذکر ہے مگر مرادی معنی ماں باپ دونوں کو شامل ہیں۔ ایک اور حدیث میں اولاد اور بیوی کا نفقہ ثابت ہے۔

عن عائشۃ ان ھند بنت عتبۃ قالت یا رسول اللہ ان ابا سفیان رجل شحیح ولیس یعطینی ما یکفینی وولدی الا ما اخذت منہ وھو لا یعلم فقال خذی ما یکفیک وولدک بالمعروف“ ۵۹

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ہند بنت عتبہ نے نبی کریم صلی

---

۵۷ ابوداؤد۔ کتاب البیوع۔ باب باکل الرجال من مال ولدہ
۵۸ ایضاً
۵۹ بخاری۔ کتاب النفقات۔

اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ علیہ وسلم ابوسفیان (میرے خاوند) بخیل واقع ہوئے ہیں اور مجھے اتنا کچھ دیتے ہیں جو میری اور میرے بچوں کی کفالت کے لئے کافی ہو۔ ہاں اگر میں ان کے جانے بغیر ان کے مال میں کچھ مزید لے لوں (تو کام چل جاتا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا معروف طریق سے اس کے مال سے اتنا لے لیا کر جو تیری اور تیری اولاد کی کفالت کر سکے۔ ۵۹

جہاں تک دوسرے اعزہ کا تعلق ہے ان کے نفقات کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ جس کا مختصراً خلاصہ ہے۔ "حضرت امام مالک کے نزدیک والدین کے علاوہ کسی بھی دوسرے رشتدار کا نفقہ واجب نہیں"۔ ۶۰

حضرت امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔

"کہ فرد پر ان رشتہ داروں (والدین بیوی اور بچوں) کے علاوہ ہر اس رشتہ دار کا نفقہ واجب ہے جس کے مرنے پر وہ اس کا وارث بن سکے"۔ ۶۱

حضرت امام اعظم کے ہاں مذکورہ بالا صلبی رشتہ داروں کے علاوہ صرف ان اعزہ کا نفقہ واجب ہوتا ہے جن سے فرد کوئی رحمی قرابت رکھتا ہو اور جن کا وہ محرم ہو۔ لہٰذا چچا زاد بھائی کا نفقہ واجب نہیں حالانکہ اس کے مرنے پر فرد اس کا وارث بن سکتا ہے۔ گویا امام اعظم کے مسلک کے مطابق اصول (دادا، نانا) اور فروع

---

۵۹ بخاری - کتاب النفقات

۶۰ احمد ابراہیم، نظام النفقات، قاہرہ ۱۹۵۲، ص - ۴، احمد الدردیر، شرح الصغیر مصطفی بابی قاہرہ ۱۳۴۰، ج ۱، ص ۴۴۸، ۴۸۹

۶۱ المغنی، ج ۴، ص ۳۶۴ - ۳۷۱

(پوتا۔نواسا) کے سوا باقی رشتہ داروں کے نفقہ کی ذمہ داری فرد پر رحمی قرابت کی وجہ سے عائد ہوتی ہے۔ نہ کہ وارثت میں ذمہ دار بننے پر۔ [۶۲]

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ والدین کی طرح دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ کا اور اولاد کی طرح نواسے، نواسی، پوتے، پوتی وغیرہ رشتہ داروں کا بھی جو فرد کے اصول اور فروع میں شامل ہیں۔ کا نفقہ واجب ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرد کے متعدد نادار رشتہ دار ہوں یا ایک نادار فرد کے متعدد دوسرے رشتہ دار ہوں تو ہر دو صورتوں میں کفالت کی ذمہ داری کس پر آتی ہے؟

ملک العلماء فرماتے ہیں۔

"ہر محتاج کی کفالت کی ذمہ داری ان کے وارثوں پر ان کے حصہ وارثت کی نسبت سے تقسیم کر دی جائے گی۔" [۶۳]

۱۱ صدقہ فطر

مسلم معاشرے کے ایسے افراد جو صاحب نصاب ہیں۔ ان کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ رمضان المبارک کا پورا مہینہ روزے رکھنے کے بعد جب حلال کھانے کی چیز کا استعمال ان کے لئے جائز ہو گیا تو ان اشیاء سے تمتع ہونے سے قبل وہ اپنے غریب بھائیوں کی روزی کا خیال کریں۔ ایسا نہیں کہ وہ دوسرے مہینوں میں خوب مزے اڑائیں اور ان کے مفلس بھائی ان کا منہ تکتے رہ جائیں۔ صدقہ فطر کا دوسرا معاشی فلسفہ یہ ذہن میں آتا ہے کہ دوران رمضان شریف امراء روزہ داروں کو بیکسوں اور

---

[۶۲] عبدالرحمٰن الجزیری، کتاب الفقہ، ج ۴، ص ۵۸۸-۵۸۹، قاہرہ ۱۹۶۹ء

[۶۳] ایضاً۔

محتاجوں کی بھوک کا احساس ہو گیا ہو گا۔ لہٰذا اسلام نے ان پر صدقہ فطر فرض کر کے گویا ان سے عملاً اس بات کا اظہار کروایا کہ وہ غرباء کی بھوک کی تکلیف سے واقف ہو چکے ہیں۔ لہٰذا وہ ان کی بھوک کے مداوہ کے لیے بھی عملی صورت اختیار کریں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"عن ابن عمرؓ قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ الفطر صاعاً من تمر او صاعاً من شعیر علی العبد والحر والذکر والانثیٰ والصغیر والکبیر من المسلمین وامر بھا ان تودی قبل خروج الناس الصلوٰۃ" [۶۴]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو (اناج) کی صورت صدقہ فطر کے ادا کرنے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد مرد اور عورت پر فرض کر دیا۔ اور حکم دیا ہے کہ اس کی ادائیگی اس سے پہلے ہی کر دی جائے۔ کہ لوگ عیدگاہ کی طرف نماز عید الفطر پڑھنے کے لئے نکلیں۔

ایک صاع تقریباً پونے دو سیر کا ہوتا ہے۔ یہ پونے دو سیر اناج یا ان کی قیمت یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور محتاجوں کو دی جا سکتی ہے۔ ہر شخص اپنی طرف سے اپنی نابالغ اولاد اور اپنے خادم کی طرف سے صدقہ فطر نکالے۔ اس کے لئے نصاب کا "نامی" (یعنی قابل نمو اور بڑھوتری) یا اس پر پورے سال کا گذرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اس فریضے کا دائرہ کار زکوٰۃ سے بھی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کے ذریعے

---

[۶۴] متفق علیہ۔ باب صدقۃ الفطر، حدیث ۱۔

خاص طور سے ایک اجتماعی مسرت کے موقع پر زیادہ سے زیادہ مساوات پیدا کی جا سکتی ہے۔

۱۲ حقوق ارتفاق

فرد کی جائیداد دو قسم کی ہوتی ہے ایک منقولہ مثلاً نقد مال اور اشیاء وغیرہ دوسری غیر منقولہ جائیداد۔ جس طرح اسلام نے منقولہ جائیداد پر معاشرے کے دوسرے افراد کے اخلاقی یا قانونی حقوق۔ مثلاً (قرض) انفاق مال اور عاریت وغیرہ) عائد کئے ہیں۔ اسی طرح غیر منقولہ جائیداد میں بھی درج ذیل چند حقوق عائد کئے ہیں۔ جنہیں فقہی اصطلاح میں "حقوق ارتفاق" کہتے ہیں۔ فقہاء اسلام نے ان حقوق کی تفصیل یوں فرمائی ہے۔

۱ حق جوار ۲ حق شرب ۳ حق میل

۴ حق مجری ۵ حق راستہ

۱ حقوق جوار

یعنی پڑوس کا حق، اس کا مفہوم یہ ہے کہ بکر کا مکان زید کے مکان سے متصل ہے اب بکر کو یہ حق حاصل نہیں کہ اپنے مکان کا کوئی ایسا تصرف کرے جو اس کے ہمسایہ زید کے لئے ضرر رساں ہو۔ مثلاً ساجھے کی دیوار پر آگ کی انگیٹھی سلگا کر رکھنا۔ یا اس میں سے ہوا کی خاطر سوراخ کرنا جس سے ہمسائے کے پردے پر اثر پڑے اس طرح بکر اس کو اپنے مکان سے ایسا فائدہ اٹھانے سے محروم نہیں کر سکتا جس سے اس کے مکان کا کوئی نقصان نہ ہوتا ہو مثلاً کپڑے وغیرہ آویزاں کرنے کے لئے کھونٹی کا ٹھونکنا وغیرہ۔

---

۶۵ حضرت مفتی محمد شفیع۔ اسلام کا نظام تقسیم دولت۔ ص۔ ۸۴، دار العلوم کراچی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"لا یمنعن جار جاره ان یغرز خشبةً فی جداره"۔ [۶۶]

ترجمہ: کوئی ہمسایہ اپنے ہمسائے کو اپنی دیوار میں گاڑنے سے نہ روکے۔

۲ حق شرب

کسی فرد کی کوئی ذاتی نہر ہے تو اس سے دوسرے افراد کو اور ان کے مویشیوں کو پانی پینے سے منع نہیں کر سکتا۔ البتہ چشمہ یا حوض یا کنواں کی صورت میں مویشیوں کو بحالت مجبوری روکا جا سکتا ہے۔ [۶۷]

۳ حق مسیل

گھروں سے گندا پانی یا بارش کا پانی نکالنے کے لئے بعض اوقات ہمسایہ کی دیوار کے ساتھ یا زمین میں سے راستہ بنانا پڑتا ہے۔ یا ہمسائے کے بنائے ہوئے نکاس یا نالی وغیرہ میں سے گذرنے کے لئے اجازت ضروری نہیں نہ وہ منع کر سکتا ہے البتہ اگر نزاع کی صورت ہو تو انتظامیہ سے رجوع کیا جائے۔ [۶۸]

۴ حق مجری

اپنی زمین سیراب کرنے کے لئے دوسرے کی زمین سے نالہ وغیرہ نکالنے کا حق۔

---

[۶۶] بخاری۔ ابواب المظالم والقصاص

[۶۷] یوسف موسیٰ۔ الاموال۔ ص ۱۷۴، قاہرہ ۱۹۵۳ء۔

[۶۸] نجات اللہ صدیقی۔ اسلام کا نظریہ ملکیت۔ ج۔ ص۔ ۳۸۶، اسلامک پبلی کیشنز لاہور ۱۹۶۸ء

یہ قانونی قسم کا حق ہے جس سے منع نہیں کیا جا سکتا۔
حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک فیصلہ اس کی مثال ہے۔[۶۹]

۷ حق راستہ

ایک شخص کو اپنی زمین یا مکان تک پہنچنے کے لئے دوسرے کی زمین سے گذرنا پڑتا ہے تو وہ شخص گذرنے والے کو منع نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر کوئی متبادل صورت ہو تو روکا جا سکتا ہے۔[۷۰]

یہ حقوق ارتفاق پرامن بقائے باہمی کے لئے شریعت اسلام نے مقرر کئے ہیں۔

---

۶۹ یحییٰ ابن آدم القرشی۔ کتاب الخراج۔ ص۔ ۱۱۲ مطبع سلفیہ قاہرہ، ۱۳۴۷ھ۔
امام مالک نے مؤطا میں روایت کی ہے کہ ضحاکؓ بن خلیفہ عریض (مدینہ منورہ کی ایک وادی کا نام ہے) سے ایک چھوٹی سی نہر نکالی اور اسے حضرت محمد بن سلمہؓ کی زمین سے لے جانا چاہا۔ محمد بن مسلمہؓ نے اس سے انکار کیا۔ دونوں بزرگوں کا معاملہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں لایا گیا۔ آپ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ وہ ضحاکؓ کو نہر لے جانے کی اجازت دیں لیکن انہوں نے پھر بھی انکار کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم اپنے بھائی کو ایسے کام سے کیوں منع کرتے ہو جس سے تمہارا بھی فائدہ ہے اور تمہیں اس سے کوئی نقصان بھی نہیں ہوتا لیکن حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا "اللہ کی قسم ایسا نہیں ہوگا" حضرت عمرؓ نے کہا "اللہ کی قسم۔ اے محمد بن مسلمہؓ! اب تو وہ نہر تمہارے پیٹ پر سے گذرے گی" آپ نے حضرت ضحاکؓ کو حکم دیا کہ وہ نہر محمد بن مسلمہؓ کی زمین سے نکالیں (بحوالہ محمد خضریؒ، تاریخ التشریع الاسلامی (اردو ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی) نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد۔ ص ۱۸۰۔ ۱۸۱۔

۷۰ قدری پاشا۔ مرشد حیران۔ دفعہ۔ ۴۹: بولاق، قاہرۃ م ۱۸۹۱۔

باب ۶

سرکاری شعبہ

اسلامی ریاست بحیثیت جنرل انشورنس کمپنی

اسلامی ریاست۔ اسلام کی جنرل انشورنس کمپنی ہے۔ جس میں ہر شہری کی بنیادی ضروریات زندگی کی دستیابی، ہمہ قسم کے خطرات کا تحفظ اور متنوع نقصانات کی تلافی ہوتی ہے۔ اس کمپنی کی شرائط میں سے اولین اسلامی حکومت کا وفادار شہری بن کر رہنا ہے۔ پھر اس کی مسلمان رعایا میں سے جو صاحب ثروت وصولت ہیں وہ زکوٰۃ، عشر، صدقہ فطر، ضرائب وغیرہ بحیثیت اقساط انشورنس ادا کریں گے لیکن جو انہیں اسلامک سٹیٹ انشورنس کمپنی دے گی وہ ان کی اقساط کی مجتمع شدہ رقم میں سے بہت زیادہ ہوگا اور جدید انشورنس کمپنی کے مفسدات مثلاً سود، قمار وغیرہ سے پاک بھی۔ اس کی ذمی رعایا میں سے صاحب استعداد جزیہ اور خراج وغیرہ ادا کریں گے۔

لیکن غریب مسلمان اور ذمی کچھ بھی نہ دے کر تمام ضروریات زندگی حاصل کریں گے۔ اسلامی حکومت کی رعایا۔ بلاتمیز مسلم و کافر۔ کو یہ ہرگز فکر نہیں ہونی چاہیئے کہ ان کے خطرات کا تحفظ اور نقصانات کی تلافی کون کرے گا؟ پیرانہ سالی میں ان کا دست بازو کون بنے گا؟ مربی کون ہوگا؟ ان کی موت کی صورت میں ان کے ناتواں بچوں کا بوجھ کون اٹھائے گا؟ یہ سب کام اسلامی حکومت کرے گی جس کی وفاداری کے حبالہ عہد میں آتے ہی آپ

تمام بیمہ دار بن چکے ہیں۔ اب آپ تمام اللہ تعالیٰ کے سچے بندے اور اسلامی حکومت کے وفادار شہری بن کر رہیں آپ کو کسی قسم کا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ اگر قوی اور صاحب فہم و ادراک ہیں تو آپ کو معاشی زندگی کی دوڑ میں شامل کرلیا جائے گا اور اگر خدانخواستہ اگر آپ معذور، مزمن مرض کا شکار، اپاہج، ضعیف یا عارضی بے روزگار ہیں تو اسلامی ریاست آپ کی کفالت کی ذمہ دار ہے۔ جناب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بحیثیت سربراہ مملکت اسلامیہ ہی کے ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

"انا اولی بالمؤمنین من انفسھم فمن مات وترك مالاً فماله لموالی العصبة ومن ترك كلاً او ضياعاً فادع له" [۱]

ترجمہ: میں مومنین کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہوں۔ لہٰذا جو شخص ترکہ میں مال چھوڑے وہ اس کے عصبات کا ہے اور جو شخص عاجز و درماندہ قرابت دار اور ناتواں بچوں کو چھوڑے، اس کے لئے مجھے بلالو۔

اسلامی حکومت کا وفادار شہری اگر قرض چھوڑ کر مرے تو اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے کہ اس کا قرضہ ادا کرے اگر مرنے والے نے کسی بسے قرض لینا تھا تو وہ بھی خلیفہ دلوائے گا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بحیثیت امیر کے ہے۔

"فمن مات وعليه دين ولم يترك وفاءً فعلي قضاؤه" [۲]

ترجمہ: پس جو شخص فوت ہوگیا اور اس پر قرض ہے اور اس نے کوئی شئے

---

[۱] بخاری۔ ج ۳۔ ص۔ ۹۹۹، ابوعبید، کتاب الاموال، قاہرہ ۱۳۵۳ھ، ص ۲۰۲۔

[۲] سنن ابی داؤد۔ مسند امام احمد۔ بحوالہ ابوعبید، کتاب الاموال، ص ۲۰۲۔

ایسی نہیں چھوڑی جس سے اس کی ادائیگی ہو سکے تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔

ایک اور روایت میں یہ فرمان اس طرح ہے۔

"جو یتیم اور بے سہارا اولاد چھوڑے تو میں ان کا والی ہوں"۔ ؎۳

اسلامی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر فرد کو بقدر کفایت ضروریات زندگی مہیا کرے۔ سید علی زادہ حنفی فرائض امیر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"ولا یدع فقیراً فی ولایتہ الا اعطاہ ولا مدیوناً الا قضی عنہ دینہ ولا ضعیفاً الا اعانہ ولا مظلوماً الا نصرہ ولا ظلماً الا منعہ عن الظلم ولا عاریاً الا کساہ کسوۃ"۔ ؎۴

ترجمہ: اور امیر اپنی مملکت کے اندر کسی فقیر کو فقیر نہ رہنے دے اور نہ کسی قرضدار کو قرضدار باقی رکھے اور نہ کسی بے روزگار کو بیروزگار رہنے دے اور نہ کسی مظلوم کو دادرسی سے محروم کرے اور نہ کسی ظالم کو ظلم کرنے دے اور ہر ننگے کو لباس مہیا کرے۔

سماجی اور معاشی تحفظ کا یہی احساس تھا جس کے تحت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رعایا کی زندگی کو خوشحال بنانے اور ان کے ہر قسم کے حقوق کی حفاظت کرنے کی انتہائی خواہش کے سلسلے میں راتوں کو تفتیش حالات کے لئے گشت کرنا ایک مشہور تاریخی حقیقت ہے۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شوق رفاہیت عامہ اس پر بھی بس نہیں کرتا اور فرماتے ہیں۔

؎۳ ترمذی ابواب الفرائض۔

؎۴ سید علی زادہ حنفی، شرح شرعۃ اسلام بحوالہ مولانا حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۹ء ص ۱۲۹-۱۳۰

"اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ شب کا گشت تمام قلمرو میں پورے سال کیا کروں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر قسم کی کوششوں کے باوجود لوگوں کی بعض حاجات یقیناً پوری ہونے سے رہ جاتی ہیں۔ کیونکہ وہ مجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔ اور عمال شاید ان کو مجھ تک نہ پہنچاتے ہوں۔ اس لئے دو مہینے مصر اور بحرین کا دورہ کروں گا۔ اور اسی طرح کوفہ اور بصرہ کا بھی،" ۵

آپ کا ایک دوسرا قول ہے۔

"اگر میں پیٹ بھر کر کھڑا ہو جاؤں اور دوسرے انسان بھوکے ہوں تو اس کے ایک معنی ہی ہیں کہ میں عوام کا اچھا والی نہیں ہوں۔" ۶

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد فقہاء کی ایک جماعت نے انکی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا سے آکر تعزیت کی اور ان کے باوقار خاوند کے حالات سننے چاہے۔ کیونکہ بیوی سے بہتر خاوند کے حالات کو کون جان سکتا ہے؟ حضرت فاطمہؒ نے اپنے باوفا خاوند حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کا جو حال بیان کیا وہ اسلامی ریاست کے سربراہ کا اپنی رعایا کی معاشی کفالت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ آپ بھی میرے ساتھ پڑھیئے۔

"واللہ ما کان بأکثرکم صلاۃ وصیام، ولاکن ــــ واللہ ــــ ما رأیت عبداً للہ کان اشد خوفا للہ من عمر ــــ رحمۃ اللہ علیہ ــــ وکان قد فرّغ بدنہ ونفسہ للناس، وکان یقعد لحوائجھم یومہ، فاذا امسی وعلیہ بقیۃ

---

۵ ابن جوزی۔ سیرت عمرؒ۔ ص ۱۶۳۔ مکتبہ سلفیہ قاہرہ ۱۳۴۲ھ۔

۶ مولانا حامد انصاری۔ اسلام کا نظام حکومت، ص ۳۰۳۔ ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۶۔

من حوائجهم وصله بليلة ۔ فامسى يوماً قد فرغ حوائجهم فدعا بمصباح قد كان يستصبح به من ماله، ثم صلى ركعتين، ثم اقعى واضعا يديه تحت ذقنه، تسيل دموعه على خدّيه، فلم يزل كذالك حتى بزغ له الفجر فاصبح صائما۔ فقلت: يا اميرالمؤمنين! لشئ ما كان منك ما رأيت الليلة؟ قال: اجل، انی وجدتنی قد وَليتُ أمر هذه الامة، اسودها وَأحمرها، فذكرت الغريب القانع، وَالفقيرالمحتاج، والفقير المقهود، وَأشباهِهم فی أطراف الارض۔ فعملت ان الله سائلی عنهم (يوم القيامة) وان محمداً ــــ صلى الله عليه وسلم ــــ حجيجی فيهم فخفت ان لا يثبت لی عندالله عذر، لا يقوم لی مع محمد ــــ صلى الله عليه حجة، فرحمت على نفسی فبكيت۔ [له]

ترجمہ: اللہ کریم کی قسم! وہ تم میں سے کسی سے بھی زیادہ نمازیں پڑھنے والے اور روزے رکھنے والے نہ تھے، لیکن اللہ کریم کی قسم! میں نے اللہ کریم کے بندوں میں سے کسی بندہ کو (حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز) سے زیادہ اللہ کریم سے ڈرنے والا نہیں دیکھا۔ انہوں نے اپنے جسم اور جان کو لوگوں کے لئے خالی کر رکھا تھا۔ وہ تمام دن لوگوں کی حاجات کے لئے بیٹھے رہتے اگر دن گذر جاتا لیکن

[له] ابن جوزی: سیرت حضرت عمر بن عبدالعزیز، مطبع رحمانیہ، قاہرہ، ۱۹۲۷، ص ۱۷۸-۱۷۹

لوگوں کی حاجات ابھی باقی رہ جاتیں تو وہ اپنی رات اس میں شامل کر لیتے ۔ ایک دن ایسا ہوا کہ لوگوں کی حاجات دن ہی دن میں نبٹالیں اور شام کو فارغ ہو گئے ، تو چراغ منگوایا جسے وہ اپنے ذاتی تیل سے روشن کیا کرتے تھے ۔ پھر انہوں نے دو رکعت نماز (نفل) ادا کی اور اپنا ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھ کر اکڑے بیٹھے رہے ۔ آپ کے آنسو آپ کے رخساروں پر بہتے رہے اور ساری رات یہی حالت رہی حتیٰ کہ سپیدہ سحر نمودار ہوا تو انہوں نے روزہ رکھ لیا ، میں نے دریافت کیا ! یا امیرالمؤمنین ! رات آپ کو کیا پیش آیا (کہ آپ کی حالت ایسی قابل رحم تھی) ؟ فرمانے لگے ۔

" میرا حال یہ ہے کہ اسود و احمر تمام امت مسلمہ کا والی بنایا گیا ہوں میں سوچتا ہوں کہ دور دراز اقطاع و امصار میں ایسے ناتواں ہوں گے ۔ جو قناعت اور تنگ حالی کی وجہ سے برباد ہو رہے ہوں گے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے بارے میں مجھ سے ضرور سوال کرے گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جانبدار بن کر مجھ سے ضرور جھگڑیں گے ، میں ڈرتا ہوں کہ اس وقت اللہ کریم کے ہاں کوئی عذر پیش نہیں کر سکوں گا ۔ اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی حجت لا سکوں گا یہ سوچ کر مجھے اپنی حالت پر رحم آیا اور میں رونے لگ گیا ۔

اسلامی نظام حکومت اپنے بیت المال میں باقاعدہ ایک شعبہ قائم کرتا ہے ۔ جس کا مقصد یہی ہے کہ اسلامی مملکت میں کوئی فرد بھی معیشت سے محروم نہ رہے ۔ ایسے اشخاص جو مرض ضعف پیری ۔ نقص اعضاء ، یتیمی و بیوگی یا دوسرے اسباب کی بناء پر

کسب معیشت سے معذور ہیں وہ افراد امت پر بار دوشی نہ بن جائیں۔ بلکہ حکومت "بیت المال" سے وظائف مقرر کر کے ان کے حق معیشت کو پورا کرے۔

" حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خیارہ نہدیؓ کے ضعف پیری اور کثرت اہل وعیال کو دیکھ کر ان کے بچوں کی تعداد دریافت کر کے ان کا اور ان کے بچوں کا جداگانہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔" [۸]

"حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال سے دودھ چھڑائے بچوں، بوڑھوں اور بیماری کے وظائف مقرر کیے۔" [۹]

واضح رہے کہ یہ اخراجات زکوٰۃ کے معروف مصارف کے علاوہ ہیں۔ اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسے اس دور کے لئے سماجی اور معاشی تحفظ کا نظام قرار دیا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں بہت سی احادیث اور آثار صحابہؓ ہیں جنہیں "اسلام کا نظام کفالت عامہ کا دائرہ کار" کے باب میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

اسلامی حکومت ایک ایسی جنرل انشورنس کمپنی ہے جس کے بیمہ دار تمام رعایا ہوتی ہے۔ اور یہ ممکن ہی نہیں کہ اسلامی ریاست میں کوئی شخص ضروریات زندگی سے محروم رہے، اس کا خون ہو جائے اور داد رسی نہ ہو، وہ مر جائے اور اس کی ناتواں اولاد کسمپرسی کی حالت میں رہے۔ اسلام کا تابناک ماضی اس قسم کی انشورنس کمپنیوں کا عملی نمونہ پیش کر چکا ہے۔ جس کا انکار کوئی دشمن اسلام بھی نہیں کر سکتا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے۔

---

۸ مولانا حفظ الرحمٰن۔ اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین ۱۹۵۹، ص ۱۴۶

۹ ابو عبیدہ، کتاب الاموال، قاہرہ ۱۳۵۴ھ ص ۲۳۸۔

"انی حریص علی ان لا اری حاجة الاّ سددتھا ما اتسع بعضنا لبعض فاذا عجز ذلك عنا تاسیتنا فی عیشنا حتی نستوی فی الکفاف۔ ولو وددت انکم علمتم من نفسی مثل الذی وقع فیھا لکم۔ ولست معلمکم الا بالعمل۔ انی واللہ لست بملك فاستعبدکم ولکنی عبداللہ عرض علی الامانة فان ابیتھا ورددتھا علیکم واتبعتکم حتی تشبعوا فی بیوتکم وارود ان اسعدت بکم وان انا حملتھا واستبتعتکم الی بیتی شقیت بکم۔ ففرحت قلیلا وحزنت طویلا۔ فبقیت لا اقال ولا ارد"۔ ؎۱

ترجمہ: میری یہ تمنا رہتی ہے کہ کسی کی کوئی حاجت دیکھوں تو اسے فوراً پورا کردوں۔ جہاں تک ہو سکے ہم ایک دوسرے کی ضروریات کی کفالت کریں۔ اور جب ہم تنہا ایسے کرنے سے عاجز آجائیں تو پھر مل کر کریں۔ یہاں تک کہ ہم سب کا معیار زندگی برابر ہو جائے۔ کاش کہ تمہیں پتہ چل جاتا کہ تمہارے بارے میں میرے دل میں کیا جذبات ہیں۔ لیکن میں تو انہیں صرف عمل کے ذریعے تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ اللہ کی قسم! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تمہیں اپنا غلام بنائے رکھوں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں جس پر خلافت کی امانت مسلط کر دی گئی ہے مجھے چاہیئے کہ میں اسے

؎۱ ابن کثیرؒ، البدایة والنہایة، الجزءالسابع، قاہرہ، ۱۹۳۹ء، ص ۴۶۔

پورا کروں اور پھر اسے تمہیں واپس کر دوں۔ اس صورت میں کہ میں تمہاری ضروریات کے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم سیر ہو کر اپنے گھروں میں سو جاؤ اور اس طرح میں تمہارے معاملہ میں سعادتمند ہو جاؤں۔ اور اگر میں امانت کو اٹھا تو لوں مگر تمہیں مجبور کر دوں کہ تم اپنی ضروریات کے ساتھ میرے گھر تک آؤ میں تمہارے معاملہ میں بدبخت بن جاؤں گا۔ پھر کیا ہو گا چند دن عیش کر لوں گا مگر ایک لمبی مدت تک غم اور افسوس کرتا رہوں گا۔ اور میرا یہ حال ہو گا کہ نہ کچھ کہہ سکوں گا اور نہ مجھے جواب دیا جائے گا۔"

ایک دوسرے موقع پر فرمایا۔

"ومن اراد ان یسأل عن المال فلیاتنی فان اللّٰہ جعلنی خازنا وقاسما"۔[11]

ترجمہ: جس کسی کو اپنی حاجت روائی کے لئے مال کی ضرورت ہو وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خزانچی اور تقسیم کرنے والا بنایا ہے۔

اکثر فرمایا کرتے تھے۔

"لو ماتت شاۃ علی شط الفرات ضائعۃ ظننت ان اللّٰہ سائلنی عنها یوم القیامۃ"۔[12]

ترجمہ: اگر دریائے فرات کے کنارے کوئی بکری بغیر چارہ کے مرجائے تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں مجھ سے سوال کریں گے۔

---

[11] ابن جوزی، سیرۃ عمر بن الخطابؓ، مطبعۃ السعادۃ، قاہرہ ۱۳۴۲ھ، ص ۱۰۱

[12] ایضاً۔ ص۔ ۱۶۱۔

اسلامی ریاست جنرل انشورنس کمپنی کے وسائل

جس طرح اس جنرل انشورنس کمپنی کے فرائض کا دائرہ کار اپنی بے پایاں وسعت کے ساتھ اسلامی ریاست کے ہر شہری کے ہر شعبہ زندگی کو محیط ہو گا۔ اسی طرح اس کے مسائل کا حلقہ بھی نہایت وسیع ہو گا بلکہ یوں کہیئے کہ ان کی مثال لچکدار ربڑ کی سی ہے۔ جسے جتنا کھینچیں اتنا ہی پھیلتا چلا جاتا ہے۔ یہاں ہم صرف چند اہم مدات آمدنی کا ذکر کرتے ہیں جن پر اسلامک سٹیٹ انشورنس کمپنی کی بنیاد ڈالی جائے گی۔

۱	زکوٰۃ	۲	خمس
۳	ضرائب	۴	اموال فاضلہ

اب ان مدات کی تشریح کرتے ہیں۔

۱ زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کے نظام کفالت عامہ کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس پر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

معنی و مفہوم

زکوٰۃ کے مفہوم میں علماء لغت نے دو معنی بیان کئے ہیں

۱	پاکیزگی	۲	بڑھنا

اب ذرا ان معنی کی وضاحت سنیئے۔

۱ پاکیزگی

زکوٰۃ نکال دینے سے مال پاک ہوجاتا ہے۔ ان معنی کا ثبوت قرآن و حدیث میں ملتا ہے۔ مثلاً قرآن حکیم کی آیت۔

"خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَ تُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا" [1]

ترجمہ: ان کے اموال سے صدقہ (زکوٰۃ) وصول کیجیئے اور اس سے انہیں پاک اور صاف کیجیئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"ان ھٰذہ الصدقات انما ھی اوساخ الناس وانھا لاتحل لمحمد ولاآل محمد۔"

ترجمہ: بے شک یہ صدقات لوگوں کا میل ہیں اور یہ محمد اور ان کی آل کے لئے حلال ہے۔

اس حدیث شریفہ سے بھی یہی مفہوم مترشح ہے کہ زکوٰۃ یا صدقات کے نکال دینے سے صاحب ثروت کا مال پاک اور صاف ہوجاتا ہے اور اگر نہ نکالا جائے تو صاحب نصاب حرام اور گندہ کھا رہا ہے۔ ان معنی کو ہی تسلیم کر لیا جائے تو فلسفہ زکوٰۃ خود بخود ذہن نشین ہوجاتا ہے کہ زکوٰۃ دولت کو صاف کرتا ہے اس کو چمکاتا ہے اور پاک کرتا ہے تاکہ اس دولت کے استعمال کرنے والے شخص کے دل میں نور پیدا ہو اور وہ بندہ خدا بن کر زندگی کے دن گذارے اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہو۔

---

[1] توبہ - ۱۰۳۔

" وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى " ۲

ترجمہ: اور اس شخص کو جہنم سے دور رکھا جائے گا جو اللہ تعالیٰ سے ڈرا اور جس نے اپنا مال تزکیہ نفس کے لیے دوسروں کو دیا۔

۲ بڑھنا

زکوٰۃ کے دوسرے معنی نمو یا بڑھنے کے ہیں یعنی زکوٰۃ نکالنے سے مال بڑھتا ہے ان معنی کا ثبوت سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارکہ سے ملتا ہے جس میں آپ نے فرمایا۔

" الزکوٰۃ قنطرۃ الاسلام "

ترجمہ: زکوٰۃ اسلام کا خزانہ ہے۔

یہاں پہنچ کر ایسا ذہن، جو دنیا کی محبت میں الجھا ہوتا ہے یا وہ ذہن جس نے اسلام کا مطالعہ سرمہ خاک حجاز لگا کر نہیں کیا ہوتا، اعتراض کر بیٹھتا ہے کہ یہ منطق ہماری تو سمجھ میں نہیں آتی کہ زکوٰۃ نکالنے سے مال بڑھتا ہے۔ آئیے ذرا ان معنی کی وضاحت کرتے چلیں۔

زکوٰۃ نکالنے سے مال بڑھتا ہے، غریب کا جسے امیر کی دولت میں سے اس کا حصہ بذریعہ زکوٰۃ مل جاتا ہے جو غریب کے اثاثے میں اضافے کا موجب بنتا ہے۔

زکوٰۃ نکالنے سے صاحب ثروت کا مال بھی بڑھتا ہے کیونکہ زکوٰۃ نکالتے وقت اسے اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ اگر اس کا مال یونہی بیکار پڑا رہا اور اس نے اسے سرمایہ کاری کے کاموں میں نہ لگایا تو ۱/۴۰ حصہ زکوٰۃ نکالتے نکالتے اس کا مال ختم ہو جائے گا لہٰذا اسے سرمایہ کاری کے کاموں میں لگایا جائے۔ نتیجتاً اس کے مال میں سرمایہ کاری کی بدولت اضافہ ہوگا۔ گویا زکوٰۃ ایک "معاشی محرک" کا درجہ بھی رکھتی ہے۔

زکوٰۃ نکالنے سے پوری قوم کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے جب غرباتک امراء کی دولت بصورت زکوٰۃ گردش کرے گی تو غریب کی قوت خرید میں اضافہ ہوگا۔ لہٰذا اشیاء کی طلب رسد بڑھے گی پیداوار میں اضافہ ہوگا جو قومی دولت میں اضافے کا موجب بنے گا۔ ۳؎

فرضیت واہمیت زکوٰۃ

زکوٰۃ تمام دین سماویہ میں ایک مذہبی فریضہ کے طور پر رہی ہے۔ قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت پر زکوٰۃ فرض تھی اسی فریضہ کا مطالبہ تھا جس کے انکار سے قارون جیسا شخص جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قریبی رشتہ دار بھی تھا، ذلیل وخوار ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اس سے زکوٰۃ کا مطالبہ کیا اور اس سے کہا کہ مال اللہ کی دین ہے اس پر مغرور ہو کر اور اس سے محبت کر کے اپنی آخرت نہ بگاڑ تو اس نے جواب دیا جو قرآن مجید کی زبان میں یوں ہے۔

"إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي" ۴؎

ترجمہ: مجھے تو یہ سب کچھ ایک ہنر سے ملا ہے جو میرے پاس ہے۔

جس کے نتیجہ میں۔

"فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ" ۵؎

ترجمہ: پھر ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو زمین میں دھنسا دیا۔

۳؎ مزید فلسفہ کے لئے ملاحظہ کریں میری کتاب "اسلام کا نظام عبادت" شیخ بشیر احمد اینڈ سنز سرکلر روڈ لاہور

۴؎ القصص۔ ۷۸

۵؎ ایضاً۔ ۸۱

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے فرمان۔

"اَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَا دُمْتُ حَیًّا" [۶]

ترجمہ: مجھے اس امر کی وصیت کی گئی ہے کہ جب تک زندہ رہوں نماز قائم کروں اور زکوٰۃ ادا کروں۔

اس سے یہی مترشح ہے کہ ان کے لائے دین میں بھی نماز کے فوراً بعد زکوٰۃ کا درجہ تھا۔

قرآن نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف جمیلہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

"وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَکَانَ عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا" [۷]

ترجمہ: اور وہ اپنے اہل وعیال کو نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں مقبول تھے۔

تمام انبیاء علیہ السلام کی شریعت کے متعلق قرآن حکیم نے فرمایا۔

"وَاَوْحَیْنَا اِلَیْھِمْ فِعْلَ الْخَیْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَاءَ الزَّکٰوۃِ" [۸]

ترجمہ: اور ہم نے ان (انبیاء) کی طرف امور خیر نماز کا قائم کرنا اور زکوٰۃ کا ادا کرنا وحی کیا)

مندرجہ بالا آیات اور بالخصوص آخری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام (انبیاء کرام) کی شریعت مطہرہ میں زکوٰۃ مشترک فرض کا درجہ رکھتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے زکوٰۃ کی ادائیگی کی بار بار ترغیب قرآن مجید میں آتی ہے۔ اور تقریباً ہر جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر کیا گیا ہے۔

---

[۶] مریم۔ ۳۱

[۷] مریم۔ ۵۵

[۸] الانبیاء۔ ۷۳۔

اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَاَقَامُ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ[۹]

ترجمہ: یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے صالح اور نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ ادا کی ان کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں اجر ہے۔

ترہیب کے ذریعے زکوٰۃ کی اہمیت جتلانے کا نمونہ ملاحظہ فرمائیں

"وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْھَا فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ فَتُکْوٰی بِھَا جِبَاھُھُمْ وَجُنُوْبُھُمْ وَظُھُوْرُھُمْ ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ"[۱۰]

ترجمہ: اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خبر دے دیں جس دن (قیامت کے دن) اس طرح جمع شدہ سونا چاندی کو جہنم کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا اس کی سزا ہے جو کچھ تم اپنے لئے اکٹھا کرتے تھے اس کا مزا چکھو۔

یاد رکھیئے! "کنز" اس دولت کے خزانے کو کہتے ہیں جس سے زکوٰۃ اور دیگر اجتماعی حقوق نہ نکالے جائیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات طیبہ میں ایک نظام زکوٰۃ قائم فرمایا

---

[۹] البقرہ۔۲۷۷۔

[۱۰] التوبہ۔۳۴-۳۵

تھا اور امت کے لئے بھی یہ درس چھوڑ گئے۔ ایک صحابی حضرت جریر بن عبداللہ بجلی روایت کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوا تو آپ نے تین باتوں کا حکم دیا۔ ایک نماز پڑھنا، دوسرے زکوٰۃ دینا اور تیسرے ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنا۔[11] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وفد عبدالقیس ۵ھ میں آتا ہے اور اسلامی تعلیمات دریافت کرتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعمال صالحہ میں انہیں نماز کے بعد زکوٰۃ کا حکم دیا۔[12]

۶ھ میں شاہ حبشہ نجاشی کے نام آپ دعوت ایمان کا خامہ مبارک بھیجتے ہیں اتفاقاً ابوسفیان بھی اس کے دربار میں موجود ہوتے ہیں۔ جناب نجاشی نے ابوسفیان سے اسلامی تعلیمات پوچھیں تو انہوں نے دوسرے اعمال کے ساتھ زکوٰۃ اور صدقہ کا بھی ذکر فرمایا۔[13]

۹ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو دعوت و تبلیغ کے سلسلہ میں یمن بھیجتے ہیں تو انہیں مذہبی فرائض کی ترتیب یوں سکھاتے ہیں۔ اہل یمن کو پہلے دعوت توحید دیں پھر جب یہ جان لیں تو انہیں نماز کا حکم دیں اور جب وہ نماز پڑھنا شروع کر دیں تو انہیں بتایئے کہ اللہ نے ان کے اموال پر زکوٰۃ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیا سے لے کر ان کے غربا کو دی جائے گی۔[14]

یہ تمام واقعات آپ کی مدنی زندگی سے متعلق ہیں۔ اگر اسلام کے ابتدائی ایام

---

[11] بخاری کتاب۔ الزکوٰۃ۔ ص ۱۸۸، ج ۱

[12] ایضاً

[13] صحیح بخاری۔ ج ۱، ص

[14] بخاری۔ ج۔ ۲، ص ۱۰۶۹۔

کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ باوجودیکہ زکوٰۃ کا حکم ۲ھ کو نازل ہوا۔ تاہم زکوٰۃ کو قائم کرنے کی اہمیت کچھ اس قدر زیادہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچویں سال چند مسلمان کفار کے مظالم سے تنگ آکر اپنے دین کی حفاظت کے لئے رخ حبشہ کرتے ہیں کفار کا ایک وفد ان کا پیچھا کرتا ہے۔ نجاشی کو مسلمانوں کے خلاف اکسانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتا ہے۔ حتیٰ کہ دونوں گروہوں کو دربار نجاشی میں پیش ہونے کا حکم دیا جاتا ہے جب مسلمانوں سے ان کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کی مبادیات کے متعلق سوال کیا جاتا ہے تو سیدنا حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، جواب میں فرماتے ہیں۔

"وہ پیغمبر علیہ السلام ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ ہم نماز پڑھیں روزے رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں" [۱۵]

یہ زکوٰۃ کی اہمیت کے پیش نظر ہی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"لا دین لمن لا صلوٰۃ لہ ولا صلوٰۃ لمن لا زکوٰۃ لہ"۔

ترجمہ: اس کا دین نہیں جس نے نماز قائم نہیں کی اور اس کی نماز نہیں جس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی۔ (یعنی زکوٰۃ کا منکر ہوا)

علاوہ ازیں زکوٰۃ کی اہمیت واضح فرمانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد احادیث میں سخت سے سخت عذاب آخرت کا ذکر فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔

"ما منع قوم الزکوٰۃ الا ابتلاھم اللہ بالسنین" [۱۶]

---

[۱۵] مسند امام احمد بن حنبل۔ ج۔ ۱، ص، ۲۰۲۔

[۱۶] جمع الفوائد۔ ج۔ ۱، ص ۱۴۳، کتاب الزکوٰۃ۔

ترجمہ: جو قوم زکوٰۃ نہیں نکالتی اللہ اسے قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

ایک دوسری جگہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کی سزا کا ہیبت ناک نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں۔

"من اتاه الله مالاً فلم یؤد زکوٰة مثل له ماله یوم القیامة شجاعاً اقرع له زبیبتان یطوقه یوم القیامة ثم یاخذه بلھزمیه یعنی بشدقیه ثم یقول انا مالك انا کنزك"، [۲]

ترجمہ: جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا اور پھر اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی تو قیامت کے دن اس کا مال بڑا زہریلا گنجا سانپ بنا دیا جائے گا۔ وہ (سانپ) اس کی گردن سے لپٹ جائے گا۔ پھر اس کے دونوں جبڑے نوچے گا۔ "میں تیرا مال ہوں اور بس تیرا خزانہ ہی تو ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے زمانہ مبارک میں بھی نظام زکوٰۃ قائم رہا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جن کی تربیت جناب پیغمبر علیہ السلام نے فرمائی تھی وہ شریعت کے اس رکن کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بعض عرب قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کر دیا تھا تو آپ نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلتا ہے تو کہتے ہیں یا امیر المؤمنین آپ ایسے لوگوں کے قتال کا فتویٰ کیسے دیتے ہیں جو توحید کے قائل ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ مگر شریعت کا یہ محرم اسرار طیش میں آ کر کہتا ہے۔

---

[۲] بخاری شریف۔ ج۔ ۱، ص ۱۸۸۔ کتاب الزکوٰۃ۔

" واللہ لاقتلن من فرق بین الصلوٰۃ والزکوٰۃ " [۱۸]

ترجمہ: اللہ کی قسم! جس کسی نے نماز اور زکوٰۃ میں فرق کیا میں اسے قتل کر دوں گا۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے آپ نے فرمایا۔

اللہ کی قسم! جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھیڑ کا بچہ بھی بطور زکوٰۃ دیتا تھا وہ اس کو دینا ہی پڑے گا۔ [۱۹]

پھر تعامل امت سے اندازہ ہوتا ہے کہ آج تک علماء امت زکوٰۃ کے فرض ہونے کا فتویٰ دیتے رہتے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک یہ حکم دیا جاتا رہے گا۔

احکام و مسائل

چونکہ زکوٰۃ اسلام کے نظام کفالت عامہ کی ریڑھ کی ہڈی ہے پھر اس کا نصاب اور مصارف وغیرہ نص سے ثابت ہیں۔ جن کے مطابق ہی اس کی وصولی اور خرچ کرنے کی سخت تاکید کی ہے۔ اگرچہ ہمارا مقالہ مسائل فقہ پر نہیں بلکہ زکوٰۃ اور دیگر شرعی ٹیکسوں کے علاوہ فلسفہ پر ہے۔ لیکن پھر بھی یہ چند اہم مسائل لکھ دیئے جاتے ہیں۔ تفصیل کے لئے فقہاء و علماء سے رجوع کریں۔ واللہ المستعان۔

اموال زکوٰۃ

سب سے پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ کن کن اموال پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اصولی پر زکوٰۃ صرف

---

[۱۸] صحیح بخاری۔ ج ۱، ص ۱۸۰، کتاب الزکوٰۃ

[۱۹] ایضاً

اس مال پر فرض ہے جس میں نمو اور بڑھوتری کی صفت پائی جائے ۔ مثلاً سونا چاندی اور دیگر معدنیات وغیرہ ۔ (یہ دراصل ذریعہ تجارت ہیں اور تجارت بڑھوتری کا سبب ہے) اموال تجارت ، مویشی ، زرعی زمینوں کی پیداوار وغیرہ مؤخر الذکر میں قدرتی پر نمو اور بڑھوتری کی صفات پائی جاتی ہیں ۔

اموال زکوٰۃ کو فقہاء نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے

۱ اموال ظاہرہ ۲ اموال باطنہ

اموال ظاہرہ

وہ ہیں جن کا پتہ صرف دیکھنے سے چل جائے ۔ مثلاً مویشی ۔ اموال تجارت ، کانیں ، دوکان ، زرعی زمینوں کی پیداوار وغیرہ ۔

اموال باطنہ

یعنی چھپے ہوئے اموال ۔ ان سے مراد وہ دولت ہے جو صندوق میں بند کر کے اور چھپا کر رکھی جاتی ہے ۔ مثلاً سونا ، چاندی ، نقد روپیہ وغیرہ ۔

نصاب زکوٰۃ

جن اموال ظاہرہ اور باطنہ پر زکوٰۃ فرض کی گئی ہے ان میں ایسا نہیں کہ ہر قلیل و کثیر پر زکوٰۃ فرض کر دی جائے ۔ بلکہ ان کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص مقدار مقرر فرمائی ہے جسے اصطلاح فقہاء میں نصاب کہتے ہیں ۔ چند اموال کا نصاب درج ذیل ہے ۔

۱ چاندی

چاندی کا نصاب دوسو درہم ہے جس کا وزن ہمارے مروجہ اوزان کے اعتبار سے ۵۲ تولے چھ ماشے اور ۵ رتی ہوتا ہے جو ۶۱۲،۳۲ گرام کے برابر ہے اس کو موجودہ قیمت مروجہ سکوں میں بنا کر اس پر ½ ۲ فیصد لازم ہوگا۔

۲ سونا

سونے کے لئے ۲۰ مثقال کا نصاب مقرر کیا گیا ہے۔ جو ہمارے پاکستانی اوزان کے مطابق ۷ تولے اور چھ ماشے ہوتا ہے جو ۸۷،۴۸ گرام کے برابر ہے اور اس کی قیمت بھی مروجہ سکوں میں اندازہ کر کے اس پر ½ ۲ فیصد لازم ہوگا۔

۳ اموال تجارت

تجارت کے لئے جو مال خریدا جاتا ہے اور اس کی قیمت اور اس کے نفع اور نقصان کا بالکل صحیح اندازہ مروجہ سکوں میں کیا جاتا ہے پھر اس ساری رقم سے یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ اس سے کتنے تولے چاندی خریدی جا سکتی ہے۔ چاندی کا صحیح اندازہ مقرر کر کے اس پر زکوٰۃ مقرر کی جاتی ہے۔ گویا اموال تجارت کا نصاب بھی یہی سونے اور چاندی کا نصاب ہوگا۔ [۲]

نقد روپیہ پر زکوٰۃ

اگر روپیہ ضرورت سے زائد گھر میں یا بینک میں پڑا رہے اور اس پر پورا سال گذر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور اس کی شرح ½ ۲ فیصد ہے۔

---

[۲] مفتی محمد شفیع۔ قرآن کا نظام زکوٰۃ۔ ص ۲۲، ۲۳۔ ادارہ المعارف کراچی ۱۹۶۳ء

کارخانوں کے اموال

کارخانوں کی مشینوں اور آلات پر زکوٰۃ تھی، باقی سامان پیداوار کا سالانہ نفع ونقصان وغیرہ کا صحیح حساب کر کے اس پر ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ عائد ہوگی۔ کمپنیوں کے حصہ داران اپنے حصہ کی زکوٰۃ الگ الگ دیں گے۔

مواشی پر زکوٰۃ

اس کی تفصیل کتب فقہ سے یا علماء کرام سے معلوم کی جاسکتی ہے۔ یہاں ہر ایک کا بالتفصیل اندراج مقالہ کو بے جا طوالت دینا ہوگا ویسے ان مسائل کی تفصیل کا اندراج ہمارا موضوع مقالہ بھی نہیں۔ صرف اتنا ضرور بتا تے چلیں کہ اونٹ کا نصاب ۵ ہے۔ گائے بھینس کا ۳۰ اور بھیڑ بکری کا ۴۰ ہے۔ ان میں سے ہر ایک مویشی اتنی تعداد کے ہوں یا زیادہ ہوں ان پر سال کے بعد زکوٰۃ لاگو ہوگی۔ [۱۲]

---

[۱۲] اموال زکوٰۃ کی تفصیل کے لئے میری حقیر کتاب "اسلام کا قانون محاصل" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

زمینی پیداوار پر زکوٰۃ

زمینی پیداوار کی زکوٰۃ کا دوسرا نام عشر ہے۔ جس زمین کی پیداوار سے عشر لیا جائے گا اسے "عشری زمین" کہتے ہیں۔ عشری زمین کی تفصیل یہ ہے۔ وہ زمین جو مسلمان قوم کی ہو مجاہدین اور غانمین کے حصہ میں آئی ہو۔ وہ بنجر زمین جو کسی مسلمان نے آباد کی ہو اور وہ زمین جو کسی ذمی کی موت کے بعد مسلمان کے قبضہ میں آئی ہو۔ اگر عشری زمین دریا، ندی، نالے اور تالاب وغیرہ سے سیراب ہو یا بارانی زمین اور محض بارش کے رحم و کرم پر ہو۔ اس کی پیداوار سے ۱/۱۰ حصہ لیا جائے گا اور اگر ایسی زمین کی کنواں، ٹیوب ویل وغیرہ سے آبپاشی کی جائے تو اس کی پیداوار سے ۱/۲۰ حصہ لیا جائے گا۔ عشر کے وجوب کے بارے میں قرآن مجید میں نص صریح وارد ہوتی ہے۔

"وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ"[۲۲] اور فصل کی کٹائی کے وقت اس کا حق پیداوار ادا کرو۔

امام قرطبیؒ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ اس سے مراد وہ زکوٰۃ ہے جو زمین کی پیداوار پر فرض ہوتی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا۔

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ"[۲۳]

---

[۲۲] الانعام-۱۴۲ [۲۳] تفسیر قرطبی۔ تفسیر آیت مذکورہ

ترجمہ: اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو جو کچھ تم پاکیزہ مال (بذریعہ تجارت و صنعت) کماتے ہو اس میں سے خرچ کرو اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا (اناج وغیرہ کی صورت میں)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث شریف میں عشر کی تفصیل یوں فرمائی ہے۔

"فیما سقت السماء والعیون لو کان عشریا العشر وما سقی بالنضج نصف عشر" [۲۵]

ترجمہ: جو زمین بارش، چشموں یا ندیوں سے سیراب ہو اس کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جائے گا اور جس کو پانی کھینچ کر (کنواں، ٹیوب ویل کے ذریعے سیراب کیا جائے اس کی پیداوار سے ۱/۲۰ حصہ لیا جائے گا۔

مندرجہ بالا حدیث میں فرمودہ فرق کی وجہ یہ ہے کہ اگر زمین کی پیداوار لینے کے لئے ضروری محنت، بیج وغیرہ اخراجات کے علاوہ آبپاشی وغیرہ پر زیادہ خرچ آئے تو عشر کم اور اگر آبپاشی پر معمولی خرچ آئے یا نہ آئے تو اس میں سے یہ اجتماعی ٹیکس زیادہ لیا جائے گا۔

شرائط زکوٰۃ

۱ زکوٰۃ مسلمان پر فرض ہے کافر پر نہیں۔ [۲۶]

۲ زکوٰۃ دینے والا بالغ ہونا بالغ کی ملکیت میں کتنا ہی مال ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ [۲۷]

۳ عاقل ہو مجنون شخص پر زکوٰۃ فرض نہیں فقہا نے جنون کی یہ تصریح کی ہے کہ وہ سال بھر رہے۔ [۲۷]

---

۲۵ بخاری باب الزکوٰۃ ۔ عن عبد اللہ رضؓ۔

۲۶ ہدایہ، کتاب الزکوٰۃ ۔

۲۷ مرغینانی: الہدایہ، کتاب الزکوٰۃ ۔

۴ آزاد ہو، غلام پر زکوٰۃ فرض نہیں کیونکہ غلام کی کسی مال پر تملیک نہیں مانی جاتی۔[۲۷]
۵ مال کا بقدر نصاب ہونا۔ نصاب سے کم مال پر زکوٰۃ نہیں۔[۲۷]
۶ مال پورا سال پڑا رہے۔[۲۷]

جن اموال پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے

۱ رہائش کا مکان ۲ پہننے کے پارچہ جات
۳ گھریلو برتن (بشرطیکہ سونا چاندی کے نہ ہوں۔
۴ غلام جنہیں بطور خادم رکھا جائے ۵ سواری کے جانور
۶ استعمال کے ہتھیار ۷ غذائی اشیاء
۸ زینت کے زیورات (بشرطیکہ سونا اور چاندی کے نہ ہوں۔
۹ ہیرے جواہرات وغیرہ ۱۰ مطالعہ کی کتب
۱۱ اوزار

مصارف زکوٰۃ

" اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ "[۲۸]

---

[۲۷] مرغینانی: الہدایہ، کتاب الزکوٰۃ۔
[۲۸] القرآن: توبہ: ۶۰

ترجمہ: صدقات تو صرف حق ہے غریبوں کا اور محتاجوں کا اور جو کارکن ان صدقات پر متعین ہیں اور جن کی دلجوئی کرنا مقصود ہے اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضوں میں اور جہاد میں اور مسافروں میں۔ یہ حکم اللہ کریم کی طرف سے مقرر ہے اور اللہ کریم تو بڑے علم والے، بڑے حکمت والے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کیئے ہیں۔ وہ ہیں۔

(۱) فقراء (۲) مساکین (۳) کارکنان زکوٰۃ (۴) مؤلفۃ القلوب (جن کا دل پرچانا ہو) (۵) فی رقاب (قیدی) (۶) غارمین (مقروض) (۷) فی سبیل اللہ (۸) ابن السبیل

ان مصارف ثمانیہ کی تفصیل یہ ہے۔

فقراء

فقراء کا واحد فقیر ہے۔ فقیر کی ایک تفسیر ہے وہ شخص جس کے پاس کچھ نہ ہو۔[۲۹] حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم ہو اس قول میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، جابر بن زید رضی اللہ عنہ مجاہدؒ، عکرمہؒ، زہریؒ، حسن بصریؒ، امام مالکؒ، ابوموسیٰؒ، اخفشؒ، ابوعبیدؒ، یونسؒ، ابن سکیتؒ، ابن فقیہؒ وغیرہ شامل ہیں[۳۰]

---

۲۹ امام ابویوسفؒ کتاب الخراج ص ۸۱۔ ماوردی: الاحکام السلطانیہ: باب ۱۱ ص ۱۱۸ ابویعلی کتاب الاحکام السلطانیہ مصطفےٰ البابی قاہرہ مصر ص ۱۱۶۔

۳۰ مولانا سید امیر علی۔ نور الدرایہ، ج ۱، قسط ۱۵، دیوبند ص ۲۸

۲۔ فقیر کا لفظ قرآن مجید میں ایک غریب مہاجر کے لئے بھی استعمال ہوا اور ایک تنو مند، دیانتدار امانت دار مزدور کے لئے بھی استعمال ہوا ہے جسے گردش زمانہ نے بے روزگار بنا رکھا ہو۔ یہ دونوں صفات قرآن مجید نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں بیان فرمائی ہیں جب وہ مصر سے بھاگ کر مدین تشریف لے جا رہے تھے۔ قرآن مجید کی زبان میں سنیئے۔

فَسَقٰى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓى اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ ۝ فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِىْ عَلَى اسْتِحْيَآءٍ ۡ قَالَتْ اِنَّ اَبِىْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ اَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا ۭ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ڜ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ ۡ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ ۔[۳۱]

ترجمہ: پس موسیٰ علیہ السلام نے ان دونوں کی بکریوں کو پانی پلایا اور پھر چھاؤں کی طرف لوٹ آئے اور کہا اے میرے پروردگار بیشک میں اس نعمت کا جو تو میری طرف نازل کرے فقیر ہوں۔ پس ان دونوں لڑکیوں میں سے ایک ان کے پاس شرماتی ہوئی کہنے لگی کہ میرے ابا نے تمہیں بلایا ہے۔ تاکہ تمہیں اس کی اجرت دے جو تم نے پانی پلایا۔ پس جب وہ (موسیٰ) ان کے باپ کے پاس آئے اور ان سے سارے واقعات بیان کئے۔ تو انہوں نے کہا کہ اب ڈرنے کی کوئی بات نہیں تم نے ظالموں کی قوم سے نجات

ان دو لڑکیوں میں سے ایک نے کہا۔ اے ابا آپ انہیں اجرت

---

[۳۱] سورۃ القصص (۲۸): ۲۴-۲۶

پر رکھ لیں کیونکہ جنہیں آپ مزدور رکھیں ان میں بہتر وہی ہے جو طاقتور اور امانت دار ہے

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ فقیر کا لفظ مہاجرین کے لیے آیا ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا۔ [۳۲]

ترجمہ: وہ مال ان مہاجر فقیروں کے لیے ہے جو اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رضامندی کی تلاش میں ہیں۔

ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے چار روایات اپنی کتاب میں ایسی اکٹھی کی ہیں جن کی رو سے فقیر کا لفظ مہاجر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ [۳۳]

حضرت جابر ابن زید اور حضرت مجاہد نے فقیر اور مسکین کا فرق بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

الفقیر الذی لا یسأل والمسکین الذی یسأل [۳۴]

ترجمہ: فقیر وہ ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا اور مسکین وہ ہے جو سوال کرتا ہے۔

بعض فقہاء کرام نے فقیر سے مراد ایسا شخص بھی لیا ہے جو نصاب کے بقدر مال کا مالک ہو صحت مند بھی ہو مگر اور وجوہ سے غریب ہو اور عالم ہو تو اس کو ان پڑھ سے فضیلت دی جائے گی۔ [۳۵]

---

[۳۲] سورۃ الحشر (۵۹) : ۸ [۳۳] ابو عبید: کتاب الاموال، ص ۶۰۲-۶۰۴

[۳۴] ابو عبید: حوالہ بالا، ص ۶۰۳۔

[۳۵] ایضاً، ص ۶۰۳۔

۱۔ فقیر سے مراد ایسا شخص بھی ہے جو دینی خدمات سرانجام دے رہا ہو۔ اور کمانے کے لئے کہیں سفر وغیرہ نہ کر سکے۔ قرآن مجید میں ہے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمَاهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا [۳۶]

ترجمہ: صدقات ان فقیروں کے لئے ہیں جو رکے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے میں اروزی کمانے کے لئے، سمجھے ان کو ناواقف مالداروں میں سے ان کے سوال نہ کرنے سے تو پہچانتا ہے ان کو چہرے سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر" مختصراً ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ فقیر کا لفظ اپنے فقہی مفہوم میں مندرجہ ذیل افراد میں شامل ہے۔

۱۔ تمام معذورین۔

۲۔ طلباء اور دین کی خدمت کرنے والے۔ مثلاً مدرسین اور مبلغین جو اپنی دینی مصروفیات کی وجہ سے روزی کمانے کے لئے فارغ نہیں ہو سکتے۔

۳۔ مہاجر

۴۔ بے روزگار مزدور (بیشک تندرست ہوں)

۲۔ مسکین

مسکین مساکین کا واحد ہے۔ مسکین کے معنی میں بھی فقہاء ولغوین کا اختلاف ہے مسکین سکن اور سکون سے ماخوذ ہے اور مسکین مبالغہ کا صیغہ ہے۔ یعنی جو انتہائی سکون کی حالت میں

---

[۳۶] سورہ البقرہ (۲) : ۲۷۳

ہو امام بیضاویؒ کی رائے میں مسکین وہ شخص ہے جس کو اس کے عجز نے ساکن کر دیا ہو۔[۳۷]
لہٰذا یہاں مسکین کے معنی ایسے تمام اشخاص کو شامل ہیں جنہیں بڑھاپے یا بیماری یا غیر معمولی حالات نے بالکل ناکارہ اور نکما کر دیا ہو۔ اور وہ اپنی روزی خود نہ کما سکیں۔ امام راغب اصفہانی کی رائے میں مسکین وہ ہے جس کے پاس کوئی شئے نہ ہو وہ فقیر سے زیادہ محتاج ہوتا ہے۔[۳۸]
امام ابو حنیفہؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ مسکین کی حالت فقیر سے بدترین ہے کیونکہ مسکین کو تو عدم زر نے ساکن کر رکھا ہوتا ہے۔ فقہاء احناف اور دیگر آئمہ کی رائے یہی ہے کہ ان دونوں کو (فقیر اور مسکین) زکوٰۃ سے اتنا دینا چاہیئے کہ وہ غربت اور تنگدستی سے نکل کر خوشحالی کے ابتدائی درجہ میں پہنچ جائیں۔[۳۹]
یہاں اس حقیقت کو ذکر نا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسلام نے ۱۴۰۰ سو سال پہلے ہی اسلامی ریاست کے بجٹ میں بے روزگاروں، معذوروں اور غرباء اور مساکین کی امداد اور بحالی کے لئے ایک خاص حصہ مختص کر دیا جب کہ انگلستان میں امداد محتاجان کا قانون ۱۶۰۱ء میں پاس کیا گیا۔ اور بیورج اسکیم اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مشہور ہے۔

۳ عاملین علیہا

(زکوٰۃ کا انتظام چلانے والے)

تیسرے حقدار وہ لوگ ہیں جو زکوٰۃ کی وصولی، اس کی تقسیم، حساب کی جانچ پڑتال نگرانی وغیرہ کے فرائض سرانجام دیتے ہیں تاکہ لوگ اپنے معاوضہ سے مطمئن ہو کر صاحب نصاب

---

[۳۷] بیضاوی: ج ۱، سورۃ التوبہ تحت آیت انما الصدقات

[۳۸] راغب اصفہانی مفردات القرآن، ص ۲۴۳

[۳۹] ماوردیؒ الاحکام السلطانیہ، ص ۱۱۸، ابو یعلی الاحکام السلطانیہ، ۱۱۶، قسمۃ الصدقات۔

لوگوں سے زیادہ وصول نہ کریں۔ یہ لوگ دراصل دیگر مستحقین زکوٰۃ کے وکیل ہوتے ہیں اور یہ اپنا حصہ بطور اجارہ یا صدقہ نہیں بلکہ بطور حق خدمت کے لیتے ہیں۔ البتہ عاملین کی تنخواہیں کل وصول شدہ رقم زکوٰۃ کے نصف سے زیادہ نہ ہو۔[۴۱]

اگر زکوٰۃ کی رقم اتنی کم ہو کہ وہ دیگر مستحقین زکوٰۃ کے لئے ہی ناکافی ہو تو ان کا حق خدمت یا تنخواہیں اسلامی ریاست دیگر مصالحہ عامہ کے فنڈ سے پورا کرے گی۔[۴۱]

۴۔ مؤلفۃ القلوب

اموال زکوٰۃ میں سے چوتھا حصہ ایسے لوگوں کے لئے ہے جن کا دل پرچانا مقصود ہو۔ زکوٰۃ کی اس مد میں فقہاء کرام سے مختلف تشریحات مروی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی یہ مد ایسے اشخاص کے لئے ہے جو تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہیں وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم۔

لیکن حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ محسوس کیا کہ اب اسلام قوی ہو گیا ہے اور اسے کسی سے تقویت لینے کی ضرورت نہیں تو اس مد کو موقوف کر دیا اور اس پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا لہٰذا اب یہ مد بھی عملاً نہیں ہے۔[۴۲]

البتہ فقہاء کرام کی ایک کثیر جماعت کا مسلک ہے کہ زکوٰۃ کا مال کسی غیر مسلم کو نہیں دیا جا سکتا۔ ان کی دلیل حدیث "تو خذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم" ہے (زکوٰۃ مسلمانوں کے اغنیاء سے لی جائے گی اور ان ہی کے فقراء میں تقسیم کر دی جائے گی) ان کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے اپنی حیات ہی میں گویا مؤلفۃ القلوب

---

[۴۱] ماوردیؒ الاحکام السلطانیہ، باب ۱۱، ص ۱۱۸

[۴۲] ابن عابدین، ردالمحتار، ج ۴، ص ۶۲

کا حصہ ختم کر دیا تھا اور صحابہ نے اسی حدیث (توخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم) پر اجماع کیا البتہ محرک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بنے اور حدیث صحیح قرآنی حکم کی تقیید یا تنسیخ کر سکتی ہے۔ لہٰذا اس مد کی منسوخی تو عہد نبوت ہی میں ہو گئی تھی، البتہ اس پر اجماع حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں ہوا۔[۴۳]

البتہ اس دور میں جب کہ امت مسلمہ کا انحطاط افسوس ناک حد تک بڑھ گیا ہے۔ اور دیگر اقوام مثلاً عیسائی مشنریز خود مسلمان کو اپنے دامن تزویر میں پھانسنے کی کوشش میں ہیں۔ ان حالات میں اسلامی حکومت دیگر مذاہب کو اسلامی کی طرف راغب کرنے اور اپنے غریب مسلمانوں کو دین پر پختہ رکھنے کے لئے زکوٰۃ میں سے خرچ کرے۔

۵۔ فی الرقاب

(گردن کے چھڑانے میں)

زکوٰۃ میں ایک حصہ غلاموں کے آزاد کرانے کے لئے ہے امام راغب اور امام شافعیؒ کے نزدیک مکاتب غلاموں کو اتنی رقم دی جائے گی کہ وہ آزاد ہو جائیں گے اور حضرت امام مالک کے نزدیک غلام خرید کر آزاد کرنے پر خرچ کرنا ہے[۴۴] جو آئمہ صرف مکاتب غلاموں کو زکوٰۃ دینا ہی جائز سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں مستحق کا اس کا مالک بن جانا شرط ہے یہ شرط صرف مکاتب غلام کو زکوٰۃ دینے میں پوری ہوتی ہے نہ کہ صرف عام غلام کو دینے میں کیونکہ غلام اور اس کا مال اس کے آقا کی ملکیت ہوتا ہے لہٰذا زیادہ درست رائے یہی ہے کہ یہ مذکورہ آیت مکاتب غلاموں کے لئے ہے۔ اگر مکاتب نہیں

---

[۴۳] ابن عابدینؒ، رد المحتار علی الدر المختار، ج ۲، ص ۶۲-۶۳۔

[۴۴] ابو یعلی، الاحکام السلطانیہ قسمۃ الصدقات، ص ۱۱۷

ہیں تو ان کا حصہ بھی دیگر مستحقین میں منتقل ہو جائے گا۔ دور جدید کے فقہاء کی رائے ہے کہ یہ مد زکوٰۃ مسلمان قیدیوں کو آزاد کرانے کے لئے خرچ کی جا سکتی ہے جو دشمنان اسلام کی قید میں ہوں۔ [۴۵]

۶- الغارمین

غارم کی جمع ہے جس کے معنی مدیون یعنی قرضہ دار کے ہیں۔ صاحب ہدایۃ کے الفاظ میں "غارم وہ شخص ہے جس پر قرضہ ہو اور اپنے قرضہ سے فاضل کسی نصاب کا مالک نہ ہو یعنی مال بقدر قرضہ ہو یا اس کا قرضہ لوگوں پر ہو جس کو وصول نہ کر سکتا ہو اور اس کے علاوہ نصاب نہ ہو۔ [۴۶]

امام شافعیؒ نے فرمایا غارم وہ ہے جو اپنا مالی خسارہ و نقصان مسلمانوں کے باہمی اختلاف و پھوٹ کو رفع کرنے میں برداشت کرے۔ [۴۷]

بعض فقہاء نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ غارم نے قرض کسی ناجائز اور غیر شرعی کام کیلئے نہ لیا ہو۔

غارم کا لفظ ان تمام مقروضوں کو شامل ہے جو اپنی ذاتی جائز ضروریات یا مسلمانوں کے مصالحہ عامہ کے لئے قرض لیتے ہیں۔ [۴۸]

امام ابو یوسف نے غارم کا دائرہ اور بڑھایا ہے ان کے نزدیک غارم ہر وہ شخص ہے جو اپنا قرضہ ادا نہ کر سکے۔ [۴۹]

---

[۴۵] یوسف الدین: اسلام کے معاشی نظریئے، ج ۲، حیدر آباد دکن، ۱۳۶۹ھ، ص ۷۲۱

[۴۶] ہدایہ، لفظ غارم کی تشریح

[۴۷] حوالہ ماوردی: الاحکام السلطانیہ، باب قسمۃ الصدقات

[۴۸] حوالہ بالا [۴۹] ابو یوسف: کتاب الخراج، ص ۸۱

امام ابو یوسفؒ کی رائے کو اگر مان لیا جائے تو پھر یہ مد مسلمان اغنیاء کے ان قرضوں کی انشورنس کرتی ہے جو وہ اپنے غریب مسلمان بھائیوں کو بلاسود دیتے ہیں۔

۷۔ فی سبیل اللہ

یعنی جو کام اللہ کی رضا جوئی کے لیے کئے جائیں ان پر زکوٰۃ خرچ کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ، اور آئمہ فقہاء کی تشریحات کی روشنی میں یہاں فی سبیل اللہ کا اطلاق مندرجہ ذیل اخراجات پر ہوتا ہے۔

۱۔ منقطع حجاج کرام اور مجاہدین پر خرچ کرنا ہے۔[۵۰]

۲۔ طالب علم اور دیگر نیک کام کرنے والے بشرطیکہ محتاج ہوں۔ فی سبیل اللہ کا مفہوم جن حضرات نے "رفاہ عامہ کے کام" لیا ہے انہوں نے غلطی کی ہے، کیونکہ لفظ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ الخ میں اِنَّمَا اس امر کا حصر کرتا ہے کہ اس کی بعد بیان کیے جانے والے آٹھ مصارف عام نہیں خاص ہیں اور اگر عام ہوتے تو قرآن مجید کو لفظ اِنَّمَا اہتمام کر کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ایک دوسرے انداز میں غور کریں تو زکوٰۃ کے تمام مصارف فی سبیل اللہ ہی ہیں پھر ایک الگ مد کے طور پر اسے لانے کی کیا ضرورت تھی؟ دوسرے اس مفہوم کے تحت زکوٰۃ کی ادائیگی کی شرط تملیک پوری نہیں ہوتی جو فقہاء احناف نے لگائی ہے فقہاء احناف میں سے شمس الائمہ سرخسی نے المبسوط (جلد ۲ صفحہ ۲۰۲) اور شرح سیر (جلد ۴ صفحہ ۲۴۴) اور فقہاء شافعیہ میں سے ابو عبید قاسم بن سلام نے اپنی کتاب الاموال (صفحہ ۲۱۰-۶۱۱) اور فقہاء مالکیہ میں سے احمد الدردیر نے شرح مختصر الخلیل

---

[۵۰] ابو عبید، کتاب الاموال، ص ۶۱۵۔ ابو یوسف، کتاب الخراج، حوالہ بالا، ص ۸۱۔

(صفحہ ۱۷ کتاب الزکاۃ) اور فقہاء حنابلہ میں سے موفق الدین ابن قدامہؒ نے اپنی کتاب المغنی میں مندرجہ بالا رائے کو بالتفصیل بیان کیا ہے۔

فقہاء کرام، مفسرین کرام، لغویین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ زکوٰۃ اور صدقات کے لیے قرآن مجید میں فعل ایتاء استعمال ہوا ہے۔ مثلاً اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ اور اتوا حقہ یوم حصادہ کا مفہوم یہی ہے کہ کسی کو کوئی چیز ایسے دینا کہ وہ اس کا مالک بن جائے[۵۱] اور رفاہ عامہ کے اخراجات میں یہ بات ممکن نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے زکوٰۃ کے مال میں سے مسجد بنانا، پل بنانا، سقایا بنانا راستے درست کرنا، نہریں کھودنا، حج و جہاد کے لیے دینا، اور ایسی دوسری تمام صورتیں جن میں مالک نہیں کیا جا سکتا جائز نہیں۔ اسی طرح میت کا کفن دینا۔ میت کا قرض ادا کرنا بھی جائز نہیں۔[۵۲]

البتہ یتیم خانوں میں طلباء حاجت مندوں اور غرباء کو کھانا کپڑا وغیرہ مالکانہ حیثیت سے دیا جائے اور ہسپتالوں میں محتاج مریضوں کو ادویات مالکانہ حیثیت سے دے دی جائے تو وہ رقم مال زکوٰۃ سے محسوب ہو سکتی ہیں۔

۸ - ابن السبیل۔

آٹھواں مصرف زکوٰۃ راہگیر یا مسافر ہیں۔ ایسا مسافر جس کے پاس اتنا سفر خرچ نہ ہو جس سے وہ اپنی ضروریات سفر پوری کر سکے اور واپس گھر پہنچ سکے۔ اگرچہ وہ اپنے وطن میں وہ امیر ہو۔ اس میں آغاز سفر والا اور درمیانی سفر والا برابر ہیں البتہ حضرت

---

۵۱ ملک العلماء الکاسانی: بدائع الصنائع، کتاب الزکوٰۃ، تملیک الزکوٰۃ۔ شیخ ابن ھمامؒ: فتح القدیر، کتاب الزکوٰۃ امام جصاص احکام القرآن ج ۲ ص ۱۵۲۔ امام راغب اصفہانی: مفردات القرآن لفظ ایتاء۔
۵۲ فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۳۰۰۔ رد المحتار علی در المختار، ج ۲، ص ۶۵۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَ
لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتَامٰی وَالْمَسَاکِیْن
وَابْنِ السَّبِیْلِ۔" [۵۳]

ترجمہ: اور جان لو کہ تم کو کسی سے بھی جو کچھ مال غنیمت ملے اس میں سے ۱/۵ حصہ اللہ تعالیٰ کے واسطے سے اس کے رسول کے واسطے اور اس کے قرابتداروں کے لئے اور یتیموں اور محتاجوں کے لیئے ہے۔

بخاری کتاب الزکوٰۃ اور بعض دوسری کتب حدیث کی ایک صحیح روایت میں بتایا گیا ہے کہ "رکاز" (دفینوں) میں بھی خمس ہے۔

وَفی الرکاز خمس: رکاز میں ۱/۵ حصہ واجب ہے۔

"رکاز" کے لغوی معنی تو دفینے کے ہیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے "رکاز" کی ایک دوسری تشریح بھی منسوب ہے۔

"فَقِیْلَ لہ ما الرکاز یا رسول اللّٰہ؟ فقالَ الذھب وَالفِضّۃ الذی خلقہُ اللّٰہ فی الاُرض یوم خلقت۔" [۵۴]

ترجمہ: آپ سے دریافت کیا گیا کہ رکاز کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا وہ سونا اور چاندی جو خلقی طور پر اللہ تعالیٰ نے زمین کے اندر اس دن سے رکھا ہے جس دن زمین و آسمان کی تخلیق ہوئی۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ "رکاز" معدنیات کو بھی شامل ہے لہٰذا ان سے بھی ۱/۵ حصہ لیا جائے گا۔

---

[۵۳] الانفال۔ ۴۱

[۵۴] امام ابویوسف، کتاب الخراج، قاہرہ ۱۳۴۶، ص ۲۲۔

امام ابوحنیفہ رح نے فریب اور جھوٹ سے بچنے کے لئے درمیان سفر کی شرط لگائی ہے۔ بعض اسکالرز نے "ابن سبیل" سے سیاحوں اور محکمہ سیاحت کے اخراجات مراد لئے ہیں مگر یہ اجتہاد اسلامی تعلیمات میں کہیں بھی جچتا نظر نہیں آتا۔

اسلامی ریاست کے دیگر ذرائع

زکوٰۃ کے علاوہ اسلامی ریاست کو اپنی تکافل عامہ کی ذمہ داریاں پورے کرنے کے اور ذرائع بھی میسر ہوں گے۔ جن میں نمایاں خمس، ضرائب (ٹیکس) اور اموال فاضلہ ہو سکتے ہیں یہاں ان کا مختصر تعارف درج کیا جائے گا۔

۱۔ خمس

اسلام کے نظام مالیات کی اصطلاح کا خمس (۱/۵) کا اطلاق مندرجہ ذیل ذرائع آمدن پر ہوتا ہے۔

ا مال غنیمت کا ۱/۵
ب زمینوں کا ۱/۵
ج معدنیات سے حاصل شدہ سونے اور چاندی کا ۱/۵۔

فقہاء اسلام کی رو سے مذکورہ بالا تینوں قسم کی آمدن ، اموال غنیمت کے تحت آتی ہے جو اچانک ہاتھ لگ جائے یا بلا محنت مل جائے۔ ان تمام قسم کی آمدنیوں میں سے انہیں تقسیم کرنے سے قبل ہی محتاجوں کے لئے ۱/۵ نکال لیا جاتا ہے۔ قرآن مجید اور حدیث مبارکہ میں ان تمام قسم کی آمدنیوں کے لئے خمس (۱/۵) کی قانونی دفعات ملتی ہیں۔

۲ - ضرائب

اسلامی حکومت کی آمدنی عام حالات میں اس قدر ہوتی ہے کہ اس سے محتاجوں کی کفالت ہوتی رہتی ہے۔ مگر بعض اوقات باقاعدہ ذرائع سے آمدن ناکافی ہوتی ہے یا بعض اوقات ایسے ناخوشگوار اور غیر متوقع حالات پیش آتے ہیں۔ مثلاً زمانہ جنگ، قحط، سیلاب، آسمانی آفات کی وجہ سے موسمی بے روزگاری، وباء عام وغیرہ جب کہ عام رفاہیت اور کفالت کے لئے زکوٰۃ، صدقات وغیرہ کافی نہیں ہوتے تو ان حالات میں حکومت اغنیاء اور اہل ثروت پر "عوامی بہبود" ٹیکس عائد کر سکتی ہے۔ اس قسم کے ٹیکس کا نام "ضرائب" ہے۔ لیکن ایک بات یاد رکھیئے کہ "ضرائب" سے مراد وہ ٹیکس نہیں ہیں جنہیں آج کل کی حکومتیں اپنے اراکین کی آسائش اور مفاد کے لئے عائد کرتی ہیں۔ جو سراسر انصاف اور عدل کے اصولوں کے خلاف ہیں۔

علامہ ابن حزمؒ نے فقراء کی اعانت پر بحث کرتے ہوئے فرمایا ہے "اگر بیت المال کا اثاثہ اور مال فیٔ فقراء اور اہل حاجت کی معاشی ضروریات کو پورا نہ کر سکیں تو خلیفہ اہل ثروت پر مزید ٹیکس عائد کر کے ان کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے اور اگر اہل دول اس سے انکار کریں تو "یجبرھم السلطان علیٰ ذلک" (سلطان انہیں ایسا کرنے پر مجبور کرے) وہ مزید فرماتے ہیں۔ قرآن مجید کی یہ آیت

"وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ"

ترجمہ: اور تم قرابت داروں، مسکین اور مسافر کا وہ حق ادا کرو جو تم پر واجب ہے۔
اپنی عمومیت کے ساتھ اس ٹیکس کی دلیل بن سکتی ہے اور یہ آثار صحابہؓ اس کی تائید کرتے ہیں۔

عن علی ابن ابی طالب یقول: اِنّ اللّٰہ فرض علی الاغنیاء فی اموالِہِمْ بِقَدْر مَا یَکْفِیْ فقراءَھم فان جاعوا او عروا او جھدوا فبمنع الاغنیاءِ۔"

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں! یقیناً اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کے مال میں اس قدر حق فرض کر دیا ہے جس قدر کہ ان کے فقراء کی کفالت کر سکے پس اگر فقراء بھوکے ننگے اور خستہ حال ہیں تو اس کا سبب یہی ہے کہ اغنیاء اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں۔"

"وَعن ابن عمرؓ انه قال فی مالك حق سوی الزکوٰة"

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں تیرے مال میں زکوٰۃ کے سوا بھی اجتماعی حقوق ہیں۔ ۵۵

یہ ٹیکس غرباء کی امداد کے علاوہ جہاد کے لئے بھی لگایا جا سکتا ہے دراصل اس ٹیکس کی وجہ ہنگامی صورتحال ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کے موقع پر اس قسم کی اعانت کی ترغیب دلائی تھی۔ جس پر پرجوش طریقہ سے لبیک کہا گیا۔ علامہ ماوردیؒ نے اس ٹیکس کے نفاذ کے لئے متعدد ہنگامی ضروریات ذکر فرمائی ہیں مثلاً آب رسانی، شہر کا دفاع، مسلمانوں کی دیکھ بھال وغیرہ۔

ان ضرائب کی مقدار مقرر نہیں۔ یہ مختلف زمانوں میں تخریج مسائل کی اجتہادی قوت کے ذریعے خلیفہ لگا سکتا ہے۔

۳ - اموال فاضلہ

مندرجہ بالا طریقوں کے علاوہ اسلامی حکومت کو اگر کسی اور جائز طریقہ سے آمدنیاں ہوں تو انہیں "اموال فاضلہ" کہتے ہیں۔ مثلاً اگر کسی مسلمان یا ذمی کی وفات ہو جائے اور اس کا کوئی وارث نہ ہو یا کوئی ذمی اسلامی حکومت کا باغی ہو جائے یا مسلمان

---

۵۵ ابن حزمؒ: المحلّی، ج ۶، ص ۱۵۶

(العیاذ باللہ) مرتد ہو جائے اور دارالاسلام سے دارالکفر کی طرف کوچ کر جائے تو ان تمام صورتوں میں اس کا مال بحق سرکار ضبط ہو کر بیت المال کی آمدنی بن جائے گا۔[۵۶]
اس طرح اگر کوئی جائیداد بصورت نقدی، زیورات یا کسی اور شکل میں گری پڑی مل جائے اور تلاش بسیار کے باوجود حقیقی مالک نہ ملے تو وہ جائیداد بیت المال کی آمدنی بن جائے گی اسے "لقطہ" کہتے ہیں ان آمدنیوں کا ایک دوسرا نام "ضوائع" ہے۔

---

[۵۶] ابوبکر الکاسانی۔ بدائع الصنائع۔ ج ۷، کتاب السیر۔ ص ۱۳۱۔

باب ۷

اسلامی ریاست کے سرکاری شعبہ میں کفالت عامہ کا طریق کار

تقابلی جائزہ

سابقہ اوراق میں ہم نے اسلامی حکومت (جو "اسلامک سٹیٹ جنرل انشورنس کمپنی" بھی ہے) کے ذرائع آمدنی کا جائزہ لیا۔ جو کفالت عامہ کے اخراجات پورے کرتے ہیں اب ہم اس مرحلہ پر پہنچ چکے ہیں کہ اس کا طریق کار پیش کریں جس کے تحت اسلامی حکومت رعایا کی کفالت، ان کے مستقبل کے خطرات کا تحفظ اور ناگہانی نقصانات کی تلافی کرے گی جس کے نتیجہ میں "فلاحی ریاست" وجود میں آئے گی۔

مغرب آج کل فلاحی ریاست کا بہت بڑا وکیل بنا ہوا ہے۔ اس نے فلاحی ریاست کے قیام کے بلند بانگ دعوے بھی کئے ہیں۔ لیکن کیا فلاحی ریاست کا مقصد امراء کی فلاح ہے تو پھر اس کا دعویٰ درست ہے لیکن اگر فلاحی ریاست سے مراد ایسی ریاست ہے جو تمام رعایا کی خوشحالی اور عام رفاہیت میں اضافہ کرے تو مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام اس کا خواب تو دکھا سکتا ہے مگر قیام ـــــ جس کے لئے چند خصوصیات کی ضرورت ہے ـــــ عمل میں نہیں لا سکا اور کبھی بھی نہیں لا سکے گا۔

سوشلزم نے بھی عوام الناس کی بنیادی ضروریات زندگی پوری کرنے کا دعویٰ کیا ہے جس میں اس نے کسی حد تک کامیابی بھی حاصل کی ہے۔ لیکن اس کے ہاں بنیادی ضروریات زندگی کی کفالت نہایت مہنگی ہے۔ سوشلزم نے انسانوں کے حق ملکیت حریت اور آزادی فکر چھین کر انہیں چند سکے تھما دیئے یا حیوانوں کی طرح صبح سے شام تک کام پر لگائے رکھنے کے بعد دو وقت کا کھانا، سر چھپانے کے لئے مکان اور پہننے کو کپڑا لا دیا تو کیا یہ سودا سستا ہے؟ اگر سرمایہ دارانہ نظام میں قومی خزانہ پر ایک ہزار سانپ تھے تو یہاں ان سب کو ہڑپ کر کے ایک زہریلا ناگ بن گیا ہے جس نے اپنے سے کمزور سب کو نگل کر اتنی قوت حاصل کر لی ہے کہ اسے کوئی ڈرا سکتا ہے نہ اپنے حقوق کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ سوشلزم ایسا جال ہے جو معاشرتی عدل مساوات اور دنیا کی جنت ایسے حسین اور دلفریب تاروں سے بنا گیا ہے۔ جس میں فریب خوردہ غریب اور کسان پھنسنے کے لئے اپنے آپ بھاگے چلے آ رہے ہیں۔ لیکن جب وہ شکار ہو جاتے ہیں تو ان کی حالت دیدنی ہوتی ہے۔ کہ تہہ دام پھڑکتے ہیں تو جال کے حلقے زیادہ کس جاتے ہیں۔

؎ اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پہ سحر ہے صیاد کے اقبال کا

اور اگر قیدی ہیں تو ذلت برداشت کر رہے ہیں۔ ہماری اس بات کی تصدیق سائبیریا میں بنے ہوئے وہ بجلی گھر ہیں جن میں کمیونزم کے جال میں پھڑکتے ہوئے شکار کو ذہنی تکلیف دی جاتی ہے۔

سرمایہ دارانہ نظام نے اگر مفلس مزدور کو غربت کی ذلت کے سپرد کر دیا تو کمیونزم نے اسے صرف پیٹ کی تعمیر پر لگا دیا جس نے صرف چند ٹکڑوں کے لئے اپنے محسن حقیقی کو بھی بھلا دیا۔ اگر سرمایہ دارانہ نظام نے اسے فلاکت زدہ گداگر بنایا تو سوشلزم نے مشین کا پرزہ۔

لیکن اسلام کی فلاحی ریاست ان تمام گندگیوں اور آلائشوں سے پاک ہے یہاں غریب کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنا فرض سمجھا جاتا ہے۔ یہاں غریب اپنے صحیح ذوق اور وجدان کے ساتھ اپنی ضروریات زندگی کی تسکین کے لیے معاشی تگ ودو میں برابر کا حصہ دار بن سکتا ہے اور اگر کسی طرح وہ معاشی دوڑ کے قابل نہیں رہا تو اس کی ضروریات ایک معزز مہمان کی طرح پوری کی جاتی ہیں یہی وہ اسلام کا نظام سماجی اور معاشی انشورنس جو اپنے بنیادی اصول و مقاصد سے لے کر فروعات تک سرمایہ داری اور اشتراکیت سے ممتاز ہے جسے اگر اپنایا جائے تو غربت کا قلع قمع ہوسکتا ہے۔ اور خونی انقلاب کا خاتمہ بھی۔

اس تمہید کے بعد اب ہم یہ بتانے کی کوشش کرتے ہیں کہ موجودہ دور کی اسلامی حکومتیں کیا طریق کار اختیار کریں کہ موجودہ نظام انشورنس کی بجائے اسلام کا نظام کفالت عامہ کا احیاء کیا جائے جو اپنی برکات میں نہ صرف موجودہ نظام انشورنس کے فوائد اور مقاصد کو شامل کیا جائے بلکہ اس سے کرو ڑ درجہ بہتر ہے جو اور دکھی انسانیت کے غموں کا مداوا بھی ہے۔

معاشی تحفظ وزارت

اس مقصد کے لئے اسلامی حکومتیں ایک مستقل وزارت قائم کریں گی جس کا نام معاشی تحفظ وزارت ہوگا اس وزارت کا کام زکوٰۃ اور دیگر شرعی ٹیکسوں کی وصولی ہوگا۔ جس کے لئے یہ وزارت مرکزی، صوبائی، ڈویژن، ضلعی اور تحصیل سطح پر اپنے دفاتر قائم کرے گی جو اپنے اپنے حلقہ سے زکوٰۃ اور دیگر شرعی ٹیکس وصول

کریں گے۔

انتظامیہ

اس کا وزیر جدید تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت اسلامیہ کا بھی ماہر ہوگا۔ پھر اس کے ماتحت عملہ مرکز سے لے کر یونین کونسل تک جتنا بھی ہوگا اس کے انتخاب میں یہ بات مدنظر رکھنی ہوگی کہ وہ قانون اسلامی بالخصوص اسلام کے نظام محاصل کی وصولی اور ان کے اخراجات کی راہیں، طریقے اور صحیح حقداروں کے مسائل سے بخوبی واقف ہوں۔ ذمہ دار عہدوں پر کام کرنے والے اشخاص کا تقرر پبلک سروس کمیشن کے ذریعہ ہوگا جن کی انٹرویو کمیٹی ایسے فضلاء پر مشتمل ہو گی جو اسلامی قانون کے ماہر ہوں گے اس کے کردار کی تصدیق اس کے جاننے والوں سے کرائی جائے۔ یہ طریقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کیا کرتے تھے۔ [۲]

عملہ کی تنخواہیں اور دفاتر کی تعمیر

اب اہم مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ، صدقات اور دیگر شرعی ٹیکس کی وصولی کرنے والے عملہ کی تنخواہیں اور دفاتر کی تعمیر کے اخراجات کہاں سے آئیں گے؟ اس سلسلہ میں ہمیں نہایت احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ زکوٰۃ و صدقات کی رقوم ان کی وصولی کرنے والے عاملین کو تو دی جا سکتی ہے مگر ان دفاتر کی تعمیر اور ڈاک وغیرہ کے اخراجات دیگر ذرائع سے پورے کئے جائیں گے کیونکہ زکوٰۃ کی رقم ایسے رفاہ عامہ

---

[۲] ابو یوسف: کتاب الخراج۔ ص ۶۶، قاہرہ ۱۳۴۶ھ۔

کے کاموں پر خرچ نہیں کی جا سکتی[۳] یہ اخراجات اسلامی ریاست اپنی دوسری مدات آمدنی سے پورے کرے گی۔

تنخواہوں کے سلسلہ میں یہ مسئلہ ذہن میں رکھنا ہوگا کہ زکوٰۃ وصول کرنے والوں کی تنخواہوں کی رقم زکوٰۃ کی وصول شدہ کل رقم سے کسی صورت سے نصف سے زیادہ نہ ہو۔ اس شعبہ کے عملہ کی تنخواہیں ان کی محنت اور لیاقت کے مطابق دی جائیں گی۔ اس طرح ان کی تنخواہیں ان کے مقابل کیڈر میں کام کرنے والے اشخاص سے کم نہیں ہوں گی۔

کام کا آغاز

یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ زکوٰۃ وصدقات کی وصولی کا کام جو ایک عبادت کا درجہ بھی رکھتا ہے ایک مدت گذر گئی۔ سرکاری سرپرستی سے محروم ہے اور ہماری اسلامی حکومتیں جن کے قیام کا مقصد ہی قرآن مجید نے نماز کا قیام اور زکوٰۃ بتایا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ

(الحج (۲۲) : ۴۱)

ترجمہ: اور وہ مومن ایسے ہیں کہ اگر زمین میں اقتدار نصیب ہو تو وہ نماز قائم کریں گے اور زکوٰۃ کا نظام قائم کریں گے۔

مدت ہوئی اس عباداتی ٹیکس کی وصولی کے بارے میں غفلت کا ثبوت دے رہی ہیں حالانکہ اگر وہ اس کی خیر و برکات کا آنکھوں سے مشاہدہ کریں تو کبھی اتنی غفلت نہ برتیں۔

ع رمز شناس نہیں دلبرا خطا اینجاست۔

۳؎ کما فی عامۃ المتون

اس کام کا آغاز کرتے وقت شروع میں اجنبیت ضرور محسوس ہوگی مگر دنیا کے دیگر کاروبار جو ایک فن کی حیثیت حاصل کر چکے ہیں جن میں سے بیشتر ایسے ہیں کہ ان کا کوئی نمونہ نہیں تھا کوئی ایک یا دو سال میں ہی اتنے اعلیٰ پیمانے پر نہیں ہونے لگے بلکہ آہستہ آہستہ انہوں نے یہ ترقی یافتہ صورتیں اختیار کی ہیں۔ اس طرح زکوٰۃ کی وصولی کا کام جو شروع شروع میں حکومت اور عوام دونوں کو نامانوس سا لگے گا ایک مختصر سی مدت کے بعد یہ عباداتی ٹیکس بالکل اس طرح وصول کیا جانے لگے گا جیسے دوسرے پبلک ٹیکس۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور بعد کے چند ادوار میں بھی اس کی وصولی اور تقسیم کا کام ہوتا رہا ہے جسے نمونہ بنایا جا سکتا ہے

جائیداد کے گوشوارے

اس کام کا آغاز یوں کریں کہ اسلامی حکومت جائیداد کے گوشوارے مرتب کرے جس میں تمام جائیداد اموال ظاہرہ اور باطنہ کی مکمل تفصیل ہو۔ یہ گوشوارے اسی قسم کے ہوں گے جس قسم کے آج کل حکومتیں سرکاری ملازمین یا دیگر صاحب ثروت اشخاص سے انکم ٹیکس وصول کرنے کے لئے شائع کرتی ہیں۔ مسلمان کے ضمیر و وجدان کی آزمائش کے لئے اس فارم کے ساتھ ایک تحریری حلف نامہ (چھپا ہوا نہیں اس میں بہت بچ نکلنے کی راہیں ہیں بلکہ خود صاحب جائیداد کی ذاتی تحریر یا نشان انگوٹھا پر مشتمل) داخل کرانا پڑے گا جس میں اس امر کی بخوبی وضاحت ہوگی کہ اگر وہ کوئی دولت کا حصہ چھپائے جو بعد میں ظاہر ہو جائے تو وہ بحق سرکار ضبط کر کے بیت المال میں جمع کرنے اسلامی حکومت مجاز ہوگی۔ اور ایسے لوگوں کے لئے تعزیری قوانین بھی بنائے جائیں گے۔ نظام زکوٰۃ کے قیام کے بعد بہت سے غیر شرعی ٹیکس ختم کر دے گی یا انہیں کم از کم کرنے کی کوشش کرے گی۔

احتساب کمیٹی

ایک احتساب کمیٹی قائم کی جائے گی جو مشکوک اشخاص کی آمدنی اور جائیداد کا بذات خود جائزہ لے گی۔ اگر کوئی ایسے خدا اور مخلوق کے دشمن پکڑے جائیں تو انہیں قرار واقعی سزا دی جائے۔ یہ شرعاً درست بھی ہوگا۔ البتہ بعض فقہاء امت اموال باطنہ کو اس احتساب سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں[۴] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا اور اس امر کو مومن کے ضمیر کے فیصلے کے حوالے کر دیا تھا۔ آج کل کیا کریں؟ اس کا فیصلہ فقہاء امت کی تخریج مسائل کی اجتہادی قوت کے حوالے کریں گے۔ اور علماء امت سے اس بارے میں مشورہ کیا جائے۔

مہینہ کا تقرر

زکوٰۃ کی وصولی کے لئے ایک خاص مہینے کا تقرر نہایت مفید ہوگا[۵] اور وہ قمری مہینہ ہوگا۔ ہمارے خیال میں رمضان المبارک کا مہینہ ہے کیونکہ یہ سخاوت کی طرف مائل کرنے کے ساتھ ساتھ دھوکہ دہی، جھوٹ اور مکر و فریب سے بچانے میں خاص تاثیر رکھتا ہے ہم نے قمری مہینہ کی تجویز اس لئے پیش کی ہے کہ قمری مہینوں کو اسلام کے مزاج کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے اسی مہینے پچھلے سال کا میزانیہ جو آمدن اور خرچ پر مشتمل ہوگا، پیش کیا جائے گا۔ یاد رہے کہ اس میں صرف زکوٰۃ یا صدقات نہیں بلکہ "سماجی تحفظ" وزارت کے تمام ذرائع آمدنی جن کا ذکر پچھلے اوراق میں ہو چکا

---

[۴] قرآن میں نظام زکوٰۃ۔ ص۔ ۲۶، از مفتی محمد شفیع۔

[۵] دیگر زرعی ٹیکس اور ذرائع آمدنی اپنے اوقات میں لئے جائیں گے۔

ہے۔ شامل ہوں گے۔

مستحقین کی فہرستیں

تمام مستحقین حضرات (جن میں معذور، محتاج، غریب، فقیر اور بے روزگار لوگ ہوں گے)، کی فہرستیں ہر گاؤں اور قصبہ کی سطح پر تیار کی جائیں گی۔ اگر یہ کام مردم شماری کرتے ہی کر لیا جائے تو زیادہ اخراجات نہیں آئیں گے۔ پھر یہ کام اس دور میں انتہائی سہل بھی ہے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ نے تو اس عہد میں وظائف کے دفاتر تیار کروائے تھے[۶]۔ جن دنوں وسائل اتنے ترقی یافتہ نہ تھے۔

مستحقین کی درجہ بندی

تمام مستحقین ایک ہی طرح کے نہیں ہوں گے انہیں چند گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱ پہلی قسم

ایسے حضرات ہوں گے جو دائمی محتاج ہوں گے مثلاً اپاہج، لاوارث، ضعیف بیوائیں، مزمن مرض کا شکار وغیرہ ان کی امداد ہمیشہ کی جائے گی۔

۲ دوسری قسم

اس میں یتامیٰ، ناگہانی آفت زدہ، مقروض، غریب طلبا، بیمار، بیروزگار

---

[۶] حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، ندوۃ المصنفین، دہلی، ۱۹۵۹، ص ۱۸۱

وغیرہ۔ ایسے اشخاص جوں جوں کاروبار کے قابل ہو جائیں گے یا ان کی عارضی محتاجی ختم ہوتی جائے گی، تندرست ہو جائیں گے یا برسرِ روزگار ہو جائیں۔ انہیں اس فہرست سے خارج کر دیا جائے گا اور ان کا وظیفہ ختم کر دیا جائے گا۔

۳ تیسری قسم

ایسے مستحقین ہیں جن کی محتاجی بالکل عارضی نوعیت کی ہوگی مثلاً مسافر جس کا سفر ختم ہو گیا یا چوری ہو گئی وغیرہ ایسے حضرات اپنے قریب ترین مقامی بہبود فنڈ (جس کا ذکر آگے آ رہا ہے) سے اپنا سفر خرچ (جو اس کے گھر تک معہ کھانا کے مناسب خرچ کے) لے کر فارغ ہو جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لئے مہمانخانے بھی تعمیر کئے جائیں گے۔

البتہ ان فہرستوں کی تیاری میں نہایت احتیاط سے کام لینا پڑے گا۔ مستحقین کی فہرستیں تیار کرتے وقت مشکوک افراد سے حلف لیا جا سکتا ہے اور قابل اعتماد اشخاص سے گواہی بھی۔

کفالت عامہ فنڈ کا قیام

یہ ایک مالیاتی ادارہ ہوگا۔ جس میں زکوٰۃ، صدقات، عشر، ضرائب اور مخیر حضرات کے عطیات وغیرہ اکٹھے کئے جائیں گے اس میں ان تمام قسم کی آمدنیوں کی علیحدہ علیحدہ مدیں مقرر کی جائیں ہر مد کا رجسٹر الگ ہوگا تاکہ ہر شعبہ کی رقم اس کے شرعی توانین اور عطیات دہندگان کی رائے کے مطابق خرچ کی جائے۔ جس کے صَرف اور آمد کی مدیں بھی الگ الگ دکھانا ہوں گی۔

اس فنڈ کے دفاتر ہر تحصیل سطح پہ ہوں گے جن میں عاملین شرعی ٹیکس اور دیگر

امدادی رقوم اکٹھی کریں گے۔ پھر ان کو مرکز کی ہدایات۔ جو شریعت کے مطابق ہونگی کی روشنی میں خرچ کیا جائے گا۔ اس فنڈ کی رقوم انشاءاللہ اس قدر زیادہ ہوں گی کہ ایک باقاعدہ اس کا بجٹ بنے گا۔ اس فنڈ کے دفاتر کے نگران نہایت ایماندار قسم کے ہوں گے جو قوم کی اس مقدس امانت کی تندہی سے حفاظت کریں گے۔

کفالتی ادارے

اس فنڈ کی مدد سے چند کفالتی ادارے قائم کئے جائیں گے جن سے مستحقین کی معاشی کفالت کی جائے گی۔ یہ ادارے مندرجہ ذیل ہوں گے۔

۱ تربیت اطفال مراکز

ایسے مراکز میں یتامیٰ، لاوارث اور غرباء بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے گا۔ ان کی خوراک، لباس اور رہائش کا انتظام مفت ہوگا اس کی تعلیم دینی اور دنیوی دونوں قسم کی ہوگی۔ دوران تعلیم ان کے اساتذہ کرام اس بات کا خیال رکھیں گے کہ کون کون سے بچے گوہر تاباں بننے والے ہیں اور کون نہیں۔ جو طلباء ہونہار نہیں ہوں گے انہیں صنعت اور کاروبار وغیرہ کی تربیت دے کر معاشی دوڑ میں شامل کرنے کی سفارش کی جائے گی جبکہ ذہین اور محنتی طلبہ کی اعلیٰ تعلیم کیلئے سفارش کی جائے گی۔ ہماری اس تجویز کی نظیر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک عمل سے ملتی ہے جنہوں نے بچوں کی تعلیم کے لئے اساتذہ مقرر کئے اور انہیں بیت المال سے تنخواہیں دیں۔

عن وظیف بن عطاء قال ثلاثة کانوا بالمدینة یعلمون

الصبیان وکان عمر بن الخطاب یرزق کل واحد منهم خمسۃ عشر درھماً کل شھر۔ [۷]

ترجمہ: حضرت وظیف بن عطاء سے مروی ہے کہ مدینہ منورہ میں تین معلم تھے جو بچوں کو تعلیم دیا کرتے تھے اور حضرت عمرؓ بیت المال میں سے ہر ایک کو ماہوار پندرہ درہم دیا کرتے تھے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دیہاتی مسلمانوں کی تعلیم کے لئے بیت المال سے معلم مقرر کئے [۸] آپ نے طلبہ کے لئے اور ایسے افراد کے لئے جو علمی انہماک کی وجہ سے کسب معاش سے قاصر تھے، وظائف مقرر کئے۔ [۹]

۲ مفت شفاخانے

اسلامی حکومت اپنی رعایا کی صحت اور ان کے مواشی کو بیماریوں سے بچانے کے لئے مفت شفاخانے قائم کرے گی۔ اس قسم کے شفاخانے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی قائم کئے تھے [۱۰] ان شفاخانوں میں چونکہ ادویات کا مریضوں کا مالک بنا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ ادویات دیگر شرعی قوانین کے علاوہ زکوٰۃ کی رقم سے بھی خریدی جا سکتی ہیں۔ یہ حضرات باقاعدہ اسلامی حکومت کے ملازم ہوں گے اور مرتبہ میں اپنے مقابل کی پیشہ ورانہ ڈگری رکھنے والے سے کسی قدر کم نہیں ہوں گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد میں معذوروں مثلاً نابینا، فالج زدہ، بے سہارا

---

[۷] کنز العمال۔ ج۔ ۲۔

[۸] ابن جوزی۔ سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ۔ ص ۴۷۔

[۹] ابن جوزی۔ ص ۹۵۔

[۱۰] امام غزالی۔ التبر المسبوک۔ ص ۱۰۷۔ قاہرہ، مطبعہ خیریہ، ۱۳۰۶ھ

یتامیٰ کی دیکھ بھال کے لئے خادم بھی مقرر کئے تھے[11] انہیں آپ ہسپتال کے عملہ ادنیٰ قیاس کر سکتے ہیں۔

۳ تربیت گاہیں

ان تربیت گاہوں میں ان صحت مند، ہٹے کٹے، نوجوان اور کابل کار کو حلال اور باعزت روزی کمانے کی تربیت جبراً دی جائے گی جنہوں نے گداگری، چوری ایسے قبیح ذرائع روزگار اپنائے ہوں گے ـــــ دوران تربیت ان سے کوئی فیس وغیرہ نہیں لی جائے گی۔ یہ تربیت گاہیں قوم کے دیگر افراد کے لئے بھی کھلی ہوں گی اور مقتدر حضرات سے مناسب فیس لی جا سکتی ہے۔ جو "کفالت عامہ فنڈ" کا ذریعہ آمدنی بن جائے گی۔ یہ تربیت گاہیں ابتدا میں ضلعی سطح پر قائم کی جائیں گی۔ مدت تربیت کم از کم مقرر کی جائے گی اور دوران تربیت ان حضرات کی اخلاقی تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے گی۔

۴ مہمان خانے

یہ بڑے شہروں میں ہوں گے (کیونکہ دیہاتوں میں تو مہمان نوازی آسان ہوتی ہے) یہاں غریب مسافروں کے کھانے اور قیام کا انتظام ہوگا۔ یہاں دو، چار روز تک قیام کی اجازت ہوگی البتہ واقعی مجبور افراد زیادہ عرصہ بھی قیام رکھ سکتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی قسم کا ایک مہمان خانہ کوفہ میں تعمیر کرایا تھا[12] ایک بڑا

---

[11] ابن جوزی، سیرت عمر بن عبدالعزیز۔ ص۔ ۱۵۴-۵۵۔ مطبعہ المؤید، قاہرہ ۱۳۳۱۔
[12] بلاذری: فتوح البلدان۔ ص۔ ۲۷۸، قاہرہ

مہمان خانہ ۱۰۰ھ میں مدینہ منورہ میں تعمیر کرایا[13] اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان بہت سی سرائیں تعمیر کرائیں۔[14]

۵ وظائف اور امداد کے مراکز

یہ "کفایت عامہ فنڈ" کا سب سے اہم شعبہ ہوگا۔ یہ تمام مستحقین، معذور، غرباء، طلبہ اور بے روزگاروں کو گذارہ الاؤنس دے گا۔ جونہی کوئی وظیفہ خوار برسرروزگار، فارغ البال یا سازگار حالات میں ہوگا اس کا وظیفہ ختم ہو جائے گا۔ یہاں مستحق غریب لوگوں کو شادی کے لئے قرض دیا جائے گا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے عہد میں ایسے واقعات ملتے ہیں۔[15]

مقروض اشخاص کو اس فنڈ سے مالی امداد بھی دی جاسکتی ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایسے احکامات بیت المال کو جاری کئے تھے۔[16]

اسلامی حکومت کا "بلا سود بینک"، ایسے وظائف کی تقسیم میں ممد و معاون ثابت ہوسکتا ہے لیکن موجودہ نظام بنکاری کے ہوتے ہوئے تو ہم "کفالت" عامہ فنڈ کی رقوم برائے حفاظت بھی بنک میں رکھنے کی اجازت نہیں دیں گے۔

وظائف اور امدادی رقوم کی تقسیم کا طریقہ کار وہی ہوگا جو آج کل سرکاری ملازمین کی تنخواہوں کا ہے ہر تحصیل کے مستحقین اپنی اپنی تحصیل کے وظائف اور امداد کے مرکز سے اپنا حصہ پائیں

---

[13] ابن حبان ۔ کتاب الثقافۃ ۔

[14] ابن اثیر: الکامل ۔ ج ۔ ۶ ۔ ص ۔ ۲۲ ، مطبعہ حلبی، قاہرہ، ۱۳۰۳ھ

[15] ابن عبدالحکیم: سیرت عمر بن عبدالعزیزؒ ۔ ص ۶۷ ، مطبعہ رحمانیہ، قاہرہ، ۱۳۴۶ھ

[16] ابوعبید: کتاب الاموال ۔ ص ۲۵۱ ، قاہرہ ۔ ۱۳۵۴ھ ۔

گے۔ البتہ اپاہج، مزمن مرض کا شکار، ضعفاء اور پردہ دار خواتین کے وظائف اور امدادی رقوم ان کے گھروں تک پہنچانے کا انتظام کیا جائے گا یا جنہیں اختیار دیں وہ وصول کر لیا کریں گے۔

تنبیہہ

یہ مستحقین اگر کسی اسلام دشمن سازش، غیر محب وطن سرگرمی یا قابل تعزیر اخلاقی میں مبتلا پائے جائیں گے۔ تو ان کے وظائف بند کر دیئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کریں۔

چند غلط فہمیوں کا ازالہ

ممکن ہے ہماری ان تجاویز کو وہ ذہن ناقابل عمل یا انتہائی مشکل سمجھے جس نے اسلام کے ماضی میں مروج "نظام کفالت عامہ" کا مطالعہ نہیں کیا۔ وہ یہ کہہ اٹھے کہ اتنی رقم کہاں سے آئے گی؟ پہلے تو ہم اسے تجربہ کی دعوت دیں گے دوسرے اسے کہیں گے کہ وہ آج کل کے اسلامی مدارس — جو تقریباً ہر بڑے قصبہ میں ہیں کے نظام کفالت کا مطالعہ کریں یہ مدارس صرف امرار کے چندوں اور اموال زکوٰۃ پر چلتے ہیں اور ان کے مجموعی سالانہ میزانیہ کا جائزہ لیں تو کروڑوں سے تجاوز کرے گا۔ اپنے آپ پورا ہوتا ہے۔ حالانکہ پاکستان کے صرف ۱ فیصد صاحب نصاب لوگ ہی زکوٰۃ ادا کرتے ہوں گے۔ اور اگر حکومت زکوٰۃ کی وصولی خود بذریعہ قانون کرے تو آپ اندازہ کریں گے ایسے حالات میں ہمارا مجوزہ پروگرام "کفالت عامہ" کس خوش اسلوبی سے چلے گا۔

اس طرح پاکستان صحیح معنوں میں ایک فلاحی مملکت بن جائے گا جو دنیا کے لئے نمونہ بنے گا اور دعوت اسلام کا ذریعہ بھی۔ حالانکہ حکومت کا اس پر کچھ خرچ بھی نہیں آئے گا

دوسرا اشکال یہ پیش آسکتا ہے کہ آج کل جب کہ اخلاقی انحطاط، جھوٹ مکر وفریب اور دھوکہ دہی عام ہے کسی بھی ملک کے شہری ان مراعات سے بے جا اور بغیر استحقاق کے فائدہ اٹھائیں گے۔ اشکال درست ہے مگر بات فکر کی نہیں۔ اسلام کی اخلاقی تربیت، تعزیراتی سزاؤں، رائے عامہ کا دباؤ اور دینی تعلیم کے ذریعے ایسے خطرات کا سدباب کیا جاسکتا ہے۔ اگر میں اس جگہ یہ کہوں تو مجھے کسی قسم کا شک وشبہ نہیں کہ اگر اسلام کا نظام حیات، زندگی کے ہر شعبہ میں اپنایا جائے تو یہ خباثتیں انشاءاللہ صفحہ ہستی ہی سے محو ہو جائیں یا یہ نہایت قلیل ہو جائیں گی۔ کیونکہ اسلام ایسی برکات والا نظام حیات ہے۔ میرا یہ دعویٰ محض عقیدت اور خوش فہمی یا وکیل صفائی کا سا نہیں۔ اسلام کا تابندہ ماضی اس کی دلیل ناطق ہے۔

؎ مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارہ

باب ۸

اسلام کے نظام کفالت عامہ کے مقاصد

اسلام جس قسم کا نظام معاشی کفالت قائم کرنا ہے اس کے چند نمایاں مقاصد مندرجہ ذیل ہوں گے۔

۱ حاجت مند کی حاجت روائی

اسلام اس قسم کے نظام پرورش کی طرح ڈالتا ہے جس میں کوئی فرد محروم معیشت نہ رہے بلکہ ہر شخص کی حاجات اصلیہ پوری ہوں اسلام کا نظام انشورنس یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ اسلامی ریاست کے شہری کو آتش شکم کی آنچ ٹھنڈی کرنے کے لئے دو وقت کا کھانا، پہننے کے لئے کپڑا، سر چھپانے کے لئے مکان دستیاب نہ ہو نتیجتہً وہ چوری بھکاری اور دھوکہ دہی ایسے رزائل میں مبتلا ہو کر پورے معاشرے کے سکون کو بھسم کر دے یا قنوطیت کا شکار ہو کر رزاق حقیقی کا انکار ہی کر دے اسلام کی نگاہ میں ایسا اقتصادی نظام ہرگز ہرگز پسندیدہ نہیں جس میں کوئی غریب فقیر اور محتاج فاقہ مستی اور تنگدستی میں مقہور و مجبور ہو کر رہے۔

اسلام نے فرد کو اپنی ضروریات زندگی آپ پوری کرنے کے لئے جدوجہد کا حکم دیا ہے۔ قرآن عزیز کہتا ہے کہ ہر انسان اپنی استعداد کے مطابق کسب معیشت

اور ابتغاء الرزق کرے

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ" [1]

ترجمہ: پھر جب تم اپنی نماز پوری کر لو گے تو اللہ تعالیٰ کا فضل (روزی) تلاش کرو۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب کسب الحلال فریضۃ بعد الفریضۃ۔ [2]

ترجمہ: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال معیشت کا طلب کرنا اللہ تعالیٰ کی فرض عبادت کے بعد سب سے بڑا فریضہ ہے۔

اسلام غریب کے ہاتھ میں کلہاڑا دیتا ہے، اس کے کاندھے پر رسی ڈالتا ہے اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچنے کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ گداگری کی لعنت یا چوری چکاری کی مذموم حرکت کا شکار نہ ہو گویا جدوجہد اسلام کا پہلا درس ہے۔ لیکن اگر معاشرے کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے ہوں تو اسلام کا نظام کفالت عامہ اپنے ماننے والوں سے تقاضا کرتا ہے کہ ان محروم معیشت کو ساتھ لے کر چلو، ان گرے پڑوں کو اٹھاؤ اور پیچھے رہ جانے والوں کو ساتھ ملاؤ۔

اسلام نے امیر المؤمنین کے ذمے لگایا ہے کہ اس کی سلطنت میں کوئی بھوکا ننگا نہ رہے یہ اس فرض کا احساس تھا جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رات جگا کر رعایا کی خبر گیری کے لئے گشت کراتا، اور خلیفہ کی کمر پر بوری لدوا کر غریب بڑھیا کے خیمہ تک پہنچایا تھا۔ اسلام امیروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ غریبوں کی حاجت روائی کے لئے خود ان تک جائیں

---

[1] الجمعہ : ۱۰

[2] کنز العمال ج۔۲۔ بحوالہ مولانا حفظ الرحمٰن، اسلام کا اقتصادی نظام، دہلی ۱۹۵۹م، ص۔۶۲۔

اور اگرچہ اسلام کے نظام حکومت کو بہت کم عرصہ ملا مگر اس نے ایسا کر کے دکھایا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پتہ چلتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں ایک عالی شان محل بنایا ہے۔ جس میں ایک ڈیوڑھی ہے۔ آپ نے اس خیال سے کہ کہیں ڈیوڑھی ان کے اور اہل حاجت کے درمیان آڑ بنتی ہو۔ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کرتے ہیں کہ وہ اس کو آگ لگا دیں۔ محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگ لگا دیتے ہیں۔ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ چپکے سے دیکھتے رہے [۳] اس ایک واقعہ سے آپ حاجت مند کی اہمیت کا اندازہ کریں۔ اس سلسلہ کے شرعی نظائر ہم "اسلام کا نظام انشورنس مقصد و منہاج" کے عنوان کے تحت پیش کر چکے ہیں۔ جن کا اعادہ مقالے کی بے جا طوالت کا موجب بنے گا۔

۲ اکتناز اور احتکار دولت کا خاتمہ

اسلام نے اس طرح دولت کو گن گن کر ذخیرہ کرنے کو ناپسندیدہ قرار دیا ہے۔ جس میں "جماعتی حقوق" ادا نہ کئے جائیں۔ اسلام امراد کو حکم دیتا ہے کہ وہ اپنی فاضل دولت غربار میں تقسیم کر دیں۔

"وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ" [۴]

ترجمہ: خرابی ہر طعنہ مارنے والے، عیب چین کے لئے، جس نے مال سمیٹ اور گن گن کر رکھا اور گمان کرتے رہے کہ اس کا مال ہمیشہ اس کے پاس

---

[۳] الفاروق - ج ۲، مکتبہ صدیقیہ ملتان، ۱۹۶۸، ص ۱۶۷

[۴] ویل - ۱ تا ۳

رہے گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اکرام رضی اللہ عنہم کے اس سلسلہ میں ارشادات آپ پچھلے صفحات میں ملاحظہ فرما چکے ہیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ایسے بزرگ ہیں جو ضرورت سے زائد دولت جمع کرنے کو حرام قرار دیتے ہیں۔

"وکان من مذھب ابی ذر رضی اللہ عنہ تحریم ادخار ما زاد علی نفقۃ العیال وکان یفتی بذالک ویحثھم علیہ ویامرھم بہ" ؎۵

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ تھا کہ اہل وعیال کے نفقہ سے زائد دولت جمع کرنا قطعاً حرام ہے وہ اسی کا فتویٰ دیتے تھے، اسی کی تبلیغ کرتے اور سب کو اسی کا حکم دیتے۔

اسلام اکتناز دولت اور احتکار ضروریات زندگی دونوں کے خلاف ہے۔ نہ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ دولت صرف امراء کے درمیان گردش کرتی رہے اور غرباء (جن پر اکثریت کا دارومدار ہے) کو خرچ کرنے کے لئے مال میسر نہ ہو کیونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ قوم کی معاشی زندگی سکڑ اور ٹھٹھر کر رہ جاتی ہے۔ نتیجۃً آمدنی اور روزگار کی سطح گر جاتی ہے۔ اگر دولت عام پبلک کے درمیان گردش کرتی رہے (جو اسلام کے نظام کفالت عامہ کا مدعا بھی ہے) تو لوگ اپنی ضروریات خریدنے کے لئے زیادہ سے زیادہ روپیہ خرچ کریں گے جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اشیاء کی طلب اور رسد بڑھے گی۔ پیداوار میں اضافہ ہوگا اور روزگار کی سطح بلند ہوگی اور غربت ختم ہوگی۔

؎۵ ابن کثیر: سورہ توبہ۔ آیت نمبر ۳۴ کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

اسلام میں غریبوں کے اجتماعی حقوق (زکوٰۃ، صدقات واجبہ وغیرہ) ادا کئے بغیر اکتناز اور احتکار ضروریات زندگی انتہائی مذموم اور مردود ہیں۔

• وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ» [6]

ترجمہ: اور جو لوگ سونا چاندی کا ذخیرہ کرتے ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تو انہیں دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

« لا یحتکر الا الخاطی» [7]

ترجمہ: احتکار دولت تو خطاکار ہی کا کام ہے۔

« والمحتکر ملعون» [8]

ترجمہ: اور احتکار کرنے والا ملعون ہے

اس ساری بحث کا فلسفہ ایک سطر میں یوں سن لیجئے۔ اسلام میں زائد از ضرورت دولت کا ٹھہراؤ پسند نہیں بلکہ اس کا حاجت مند تک کا پہنچانا مقصود ہے۔ قرآن مجید کی آیت مبارکہ اسی جانب مشیر ہے۔

« يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۔ قُلِ الْعَفْوَ » [9]

ترجمہ: آپ دریافت کرتے ہیں کہ خرچ کیا کیا جائے تو فرما دیجئے وہ کچھ جو ضرورت سے زائد ہو۔

---

[6] توبہ - ۳۴

[7] طیبی شرح، مشکوٰۃ شریف - کتاب البیوع

[8] ایضاً [9] البقرہ : ۲۱۹

۳ - دولت کے غیر فطرتی تفاوت کا خاتمہ

اسلامی نظام انشورنس کا ایک اہم مقصد دولت کے غیر فطرتی تفاوت کو ختم کرنا بھی ہے۔ اسلام کا نظام کفالت عامہ یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ ایک طرف تو دولت کی ریل پیل ہو جو داد عیش و عشرت دے اور دوسری طرف ایسے افراد ہوں جو خستہ حال اور پریشان ہوں جن کا فقر انہیں کفر تک پہنچا دے۔ جس قوم میں اس قسم کا معاشی تفاوت پایا جاتا ہے وہ کسی اور نظریہ حیات کی پیرو ہو تو ہو اسلام کی پیرو نہیں ہو سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی فرضیت کا فلسفہ دولت کے تفاوت کو کم کرنا بتایا ہے۔

" توخذ من اغنیاءھم وترد علی فقراءھم" [۱]

ترجمہ: (ان کے مال داروں سے زکوٰۃ و صدقات لئے جائیں گے اور ان کے فقراء پر خرچ کئے جائیں گے)

" وعن جریرؓ قال اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قوم حفاۃ عراۃ مجتابی النمار اوالعبا متقلدی السیوف عامتھم من مضر فتغیر وجہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لما رای بھم من الفاقۃ فدخل ثم خرج فقال: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا- الایۃ ، والایۃ الحشر، اتَّقُوْا

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ - حدیث نمبر ا

اللہ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ“ [11]

ترجمہ: اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قوم پیش کی گئی جو پیر ننگے اور ننگے بدن تھے جو چیتے کے سے گل کی طرح کی عبا پہنے ہوئے تھے اور ان کے چہروں سے فاقہ کی حالت ظاہر تھی یہ دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور حجرہ مبارک میں داخل ہوئے پھر باہر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے سورہ النساء اور سورہ الحشر کی آیات تلاوت کیں جن کا حاصل یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو کہ وہ امیر و کبیر ہوں یا فقیر و صغیر ایک انسان آدم ہی سے پیدا کیا اور اس سے سبھی بنی آدم ہیں اور یہ کہ انسان کو ڈرنا چاہیئے کہ کل قیامت کے دن خدا کے سامنے کیا جواب لے جا رہا ہے“!

نیز آپ کا فرمان ہے۔

”لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ مایحب لنفسہ“ [12]

ترجمہ: تم میں سے کوئی اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیئے وہی پسند کرے جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

یہ تمام احکام و فضائل اس غیر فطرتی تفاوت کے قلعوں کو مسمار کرنے کے لئے ہی

---

[11] مسلم بن حجاج: الصحیح: کتاب الزکوٰۃ۔

[12] بخاری: صحیح، کتاب الایمان۔ باب من الایمان ان یحب لاخیہ مایحب لنفسہ۔

تو ہیں ۔ اسلام امت کے مختلف افراد کے درمیان اس قسم کے تفاوت کو کیوں پسند نہیں کرتا ؟ اس کا جواب حسد اور کینہ کے اس خطرناک جذبات میں مضمر ہے جو سماج کی بنیادیں ہلا دیتے ہیں ۔ اس کا جواب اس بے جا امتیاز، حق تلفی اور سنگ دلی میں پسندیدہ ہے جو قلب وضمیر کو آلودہ کر دیتے ہیں ۔ اتنا تفاوت ہونے کا مطلب محروم مندوں کو چوری یا غصب کرنے یا عزت نفس اور خودداری سے ہاتھ دھو کر انتہائی ذلت و خواری میں مبتلا ہو جانے پر مجبور کرنا ہے ۔ یہ انسانوں کو پستی کی طرف لے جانے والے عوامل ہیں جن سے اسلام کا نظام کفالت عامہ یکسر پاک ہے ۔

اسلام ایسے غیر فطرتی تفاوت کو جڑ سے اکھاڑ کر اس پر حق معیشت کی مساوات اور دولت کی منصفانہ تقسیم کی بنیاد رکھتا ہے ۔ سوشلزم نے بھی مساوات کا دعویٰ کیا تھا مگر وہ صرف معاوضوں میں ایسی مساوات کا نام ہے جو معاشی تفاوت اور معاشرتی اونچ نیچ کو ختم کر سکے ۔ اگرچہ حقائق کی دنیا میں علمی زحمتوں نے سوشلزم کے اس اصول کے نفاذ کو یکسر ناکام بنا دیا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ انشاء اللہ یہ غیر فطرتی تصور ہی اپنی موت مر جائے ۔

۴۔ انسان کی عزتِ نفس اور تکریمِ ذات

اسلام نے اپنے کفالت عامہ کے نظام میں انسان کی عزت نفس اور تکریم ذات کا پورا پورا احساس کیا ہے ۔ اسلام نے انسان کے سر پر جو بزرگی کا تاج رکھا ہے اسے وہ کسی صورت میں اتار پھینکنا نہیں چاہتا ۔

" وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ آدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَ
رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ

خَلَقْنَا تَفْضِيلًا۔ [۱۳]

ترجمہ: ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انہیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں۔ اور انہیں پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور بہت سی مخلوق پر انہیں نمایاں فوقیت بخشی۔

اسلام کے نظام کفالت عامہ میں حضرت بلال حبشی، حضرت صہیب رومی، حضرت سلمان فارسی اور حضرت یاسر رضی اللہ عنہم کو تعلیم دی جاتی ہے کہ وہ حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم کے اموال پر للچائی ہوئی نظر نہ ڈالیں، نہ ان کے سامنے دست طمع دراز کر کے اپنی تکریم ذات کو ختم کریں۔ مگر دوسری طرف حضرت عثمان غنی، حضرت زبیر اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کو یہ سختی سے ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اپنی فاضل دولت لے کر حضرت صہیب رومی، حضرت بلال حبشی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہم کے مکان تک جائیں اور ان کی حاجت روائی کریں۔

اس عزت نفس کے تحفظ کے لئے اسلام نے سوال کرنا اور گداگری اختیار کرنا نہایت مذموم فعل بتایا ہے۔ اس کو قرآن مجید نے نہایت اچھوتے انداز میں بیان فرمایا ہے۔

"وَلَا يَسْئَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا" [۱۴]

ترجمہ: وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے۔

ایک دوسرے مقام پر اسی مضمون کو ایک دوسرے پیرائے میں بیان فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کی جا رہی ہے مگر درس پوری امت کے لئے ہے۔ دیکھیئے عزت نفس کو اور خودداری کو برقرار رکھنے کا درس کتنے احسن طریق پر دیا جاتا ہے۔

---

[۱۳] بنی اسرائیل۔ ۷۰۔

[۱۴] البقرہ۔ ۲۷۳۔

"وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى" [15]

ترجمہ: ان لوگوں (دنیا دنی والوں) کو ہم نے جو مال و متاع دے رکھا ہے اس کی طرف للچائی ہوئی نظر سے نہ دیکھ، یہ تو دنیوی زندگی کی آب و تاب ہے جس کے سبب ہم ان لوگوں کو آزماتے ہیں اور تیرے پروردگار کے پاس جو رزق ہے وہ بہتر بھی ہے اور پائیدار بھی۔

دوسری طرف امراء کو سکھایا کہ بخل و امساک نہایت ذلیل افعال اور قبیح اخلاق ہیں اور حاجت مند کی حاجت روائی کا جذبہ پیدا کرنے کے لئے فرمایا۔

"وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ" [16]

ترجمہ: اور جو سائل ہے اسے نہ جھڑک۔

یہاں نہ تو سرمایہ دارانہ نظام کے غریب کی طرح کا احساس کمتری ہے نہ اشتراکی نظام کے غریب کی سی ذہنی اور جسمانی غلامی۔ سرمایہ دارانہ نظام کفالت عامہ کا صرف دھوکہ دیتا ہے، کمیونزم سب کچھ چھین کر کچھ دیتا ہے اور اسلام جائز طریقہ سے کچھ لے کر سب کچھ دیتا ہے۔ یہاں تو محتاج کی عزت نفس اور تکریم ذات کا اتنا خیال رکھا گیا ہے کہ اسے صدقہ خیرات اس طرح دیا جائے کہ دائیں ہاتھ سے دیں تو بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو[17]

---

[15] طٰہٰ، ۱۳۱

[16] والضحیٰ - ۱۰

[17] فضائل صدقات، الانفاق وکراہتہ الامساک والسوال۔

مبادا کہ صدقہ دینے والے امیر کے اظہار سے غریب محتاج کی سبکی ہو سکے۔

اسلام نے امیر کو غریب کی عظمت کا درس دینے کے لئے سکھایا ہے کہ تمہیں تمہاری روزی تمہارے ضعفاء کے سبب ملتی ہے[18] اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے اے اللہ مجھے تو غریب رکھنا، غریبوں کی موت مارنا اور قیامت کے دن غرباء کی صفوں سے اٹھانا۔ کیا اس کے بعد بھی غریب کی عزت کا کوئی بہتر سہارا ہے۔ یہاں پہنچ کر ممکن ہے کوئی اشتراکی یہ اعتراض کرے کہ اسلام والے تو غریب مزدور کو میٹھی لوریاں دے کر انہیں ان کے حقوق سے غافل کر کے سلاتے ہیں تو ہم انہیں جواب دیں گے کہ اسلام کا غرباء کو لوری دے کر سلانا۔ اس رحم دل والدہ کی طرح کا ہے۔ جو بچے کو دودھ پلا کر ہی نہیں چھوڑ دیتی بلکہ اس کو لوری دے کر سلانے کی فکر بھی کرتی ہے۔ یہی تو نقطہ ہے جسے اشتراکی نہیں سمجھتے کہ اسلام غرباء کی حاجات ہی رفع نہیں کرتا ان کو عزت اور سکون کی نیند بھی دیتا ہے۔ آگے چلیئے اسلامی سماج اور اسلامی نظام کفالت عامہ میں غریب معاشرے پر بار نہیں بلکہ ایک معزز شہری ہے جو رحمت کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ نہیں کہ اسے کچھ دینے والا ذلیل سمجھ کر دے یا غلام سمجھ کر۔ اسلام امراء کو یہ ذہنیت عطا کرتا ہے کہ جو کچھ تم ان بے نواؤں کو دے رہے ہو یہ ان پر کوئی احسان نہیں کر رہے ہو بلکہ یہ تو ان کا مقرر حصہ ہے جو تمہارے اموال میں ہم نے رکھا ہے۔

" وَفِيْ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ. لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ "[19]

ترجمہ: اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم المعیشت کا ایک مقررہ حصہ ہے۔

یہی وہ نظریہ ہے جو سرمایہ دارانہ نظام، سوشلزم اور اسلام کے نظام کفالت عامہ

---

[18] صحیح بخاری، کتاب المغازی

[19] القرآن: المعارج: ۲۴-۲۵ -

میں واضح فرق قائم کرتا ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک دن مکہ میں کہیں جا رہے تھے۔ دیکھتے ہیں کہ ملازمین کھانا میں آقاؤں کے ساتھ شریک نہیں بلکہ کنارے پر کھڑے ہیں۔ آپ کو غصہ آجاتا ہے اور ناپسندیدگی کے بعد میں ان آقاؤں کو فرماتے ہیں۔

"لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے خادموں کے ساتھ قبیح کا سلوک کرتے ہیں پھر ان ملازمین کو بلا کر ان آقاؤں کے ساتھ بڑھا دیتے ہیں تاکہ وہ ان کے ہم نوالہ اور ہم پیالہ بن جائیں۔"[۲۰]

اندازہ فرمائیے اسلام میں غریب کی عظمت کیا ہے؟ !! اور کتنا احساس ہے اس کی خودداری اور تکریم ذات کا۔

۵۔ صالح معاشرے کی تعمیر

اس نظام انشورنس کے تحت ایک ایسا صالح معاشرہ وجود میں آتا ہے۔ جو پرامن بقا باہمی کے اصولوں پر قائم ہوتا ہے۔ یہاں ہر شخص کی ضروریات زندگی ایک باوقار شہری اور پسندیدہ مہمان کی طرح پوری ہوتی ہیں۔ یہاں کا غریب اس موقع کی تلاش میں نہیں رہتا کہ اسے وقت ملے تو امیر کی گرہ کاٹ لے اور نہ امیر یہ چاہتا ہے کہ وہ غریبوں کا خون پی پی کر پلتا رہے۔ اسلام کا نظام کفالت عامہ جس قسم کا معاشرہ تشکیل دیتا ہے۔ اس میں نہ تو ایسے امیر کے لئے گنجائش ہے جو شرعی اجتماعی حقوق ادا کئے بغیر دولت کا ذخیرہ کرے نہ ایسے گداگر کے لئے ٹھکانہ ہے جو صحت اعضا

---

[۲۰] سید قطب، العدالۃ الاجتماعیہ فی الاسلام، عیسیٰ البابی الحلبی و شرکاہ، قاہرہ ۱۳۷۳ھ، ص ۱۶۳

اور صحت ہوش وحواس کے باوجود امت کی آنکھوں میں خاک جھونک کر پیشہ ورانہ گداگر بنے۔ ایسا دھوکے باز اسلام کی خود دارانہ نگاہ میں مجرم ہے جو اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دوزخ کے انگارے اکٹھے کر رہا ہے۔

یہ صالح معاشرہ سرمایہ دارانہ معاشرہ کی طرح کے اس تحاسد وتباغض سے پاک ہے جس کا آجر ومزدور اور غریب اور امیر کی جنگ کی اشکال میں ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ نہ اس معاشرہ میں کمیونسٹ معاشرہ کی طرح کے حسد وکینہ کے جذبات کی قدروقیمت ہے جن کا نتیجہ مردار خور اور بے درد کرگس کی فطرت پر مبنی نظریہ۔

ع "جو بن پڑے تو جھپٹ کے کھالوں"

کو جنم دیتا ہے۔

یہ معاشرہ اپنی بنیاد اخوت ومروت، مودت وموانست اور خیر خواہی اور خیرسگالی کے جذبات پر ڈالتا ہے اور چوری چکاری، آپا دھاپی، دھوکہ دہی اور پیشہ ورانہ گداگری کی خباثتوں کو بیخ کنی سے اکھاڑ دیتا ہے۔

اسلام کا نظام کفالت عامہ فرد کو بنیادی ضروریات زندگی کا تحفظ دے کر اسے ایک اعلیٰ تر مقصد۔ اعلاء کلمۃ اللہ۔ کی خاطر جینا اور مرنا سکھاتا ہے۔ مصنوعی اونچ نیچ ظلم واستبداد اور ہمہ قسم کے استحصال کا خاتمہ کر کے دولت کی منصفانہ تقسیم اور گردش دولت کے ساتھ ساتھ غرباء کی حاجت روائی اور عام خیر خواہی کے مقدس جذبات کو پروان چڑھاتا ہے۔

الغرض جب اسلام اس قسم کا نظام انشورنس قائم کرتا ہے کہ ایک طرف امراء کے مال کا تحفظ رہے، دوسری طرف غرباء کی حاجات پوری ہوتی رہیں اور مال انکے اصلی مستحقین تک پہنچتا رہے تو راویوں کا یہ بیان چنداں موجب حیرت نہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے عہد میں لوگوں کو فراخی نصیب ہو گئی تھی کہ لوگ زکوٰۃ کا مال لئے

پھرتے تھے اور کوئی انہیں وصول کرنے والا نہ ملتا تھا۔

یحییٰ بن سعد کہتے ہیں۔

" مجھے امیرالمؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے افریقہ میں صدقات کی وصولی کے لئے روانہ فرمایا۔ میں نے صدقات اکٹھے کئے اور ایسے لوگوں کی تلاش کی جنہیں صدقات تقسیم کرسکوں مگر ایسا شخص نہ ملا جو صدقہ قبول کرلے۔ بالاخر اس صدقہ سے غلام خرید کر انہیں آزاد کردیا۔"[۲۱]

اس موقع پر مجھے کہنا پڑتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام عام رفاہیت کا صرف خواب دکھاتا ہے۔ سوشلزم اس کی تعبیر بتانے کی کوشش کرتا ہے جبکہ اسلام اس کی عملی شکل پیش کردیتا ہے۔

---

۲۱ ابن عبدالحکیم، سیرۃ عمر بن عبدالعزیزؒ، بیروت ۱۳۸۷ھ ص ۶۹۔